مکمل ناول

خالدہ نثار

محبت کی صورت

"میں نمو فیاض سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی بات پر انہوں نے کتاب سے نگاہ ہٹا کر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"اچھا؟" ان کا انداز سوالیہ تھا جو اگلے ہی پل طنزیہ ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ان کی نظروں کی کاٹ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"اور جو پہلی بیوی ہے وہ؟ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟" ان کی بات پر اس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔"

"اچھا!" وہ طنزیہ ہنسے تو وہ پہلو بدل کے رہ گیا۔

"سروکار نہیں یا ہمت و مردانگی نہیں؟" ان کے گہرے طنز پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپ جانتے ہیں نہ ہمت کی بات ہے نہ مردانگی کی۔ میرے ہاتھ آپ کی وجہ سے ہی بندھے ہیں۔"

اس کی بات پر انہوں نے ہاتھ میں تھامی کتاب بند کر کے میز پر رکھی۔ پھر آگے ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر ہولے سے ہنسے۔

"مرد کے ہاتھ کوئی مجبوری نہیں باندھ سکتی۔"

وہ کچھ کہنے لگا تھا۔ مگر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"کچھ بھی ہو، رجا تمہاری بیوی ہے۔ اس کی خبر رکھا کرو۔ سنا ہے کل بھی تاج ریسٹورنٹ میں کسی جاذب عرف جوذی کے ساتھ لنچ کرتی پائی گئی ہے۔"

ان کی بات نے اس کے اندر شعلے بھڑکا دیے۔ وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں آگ کی تپش تھی۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑے ہوئے۔

"میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تم یوں جذباتی ہو جاؤ۔ بلکہ اس لیے بتایا ہے کہ اب تمہیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ ایک نظر انہیں دیکھتا جھٹکے سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

بہت کھولتے دماغ کے ساتھ وہ باہر آیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے ذاتی گارڈز مستعد ہو گئے۔ وہ جھٹکے سے بی ایم ڈبلیو کا دروازہ کھولتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو وہ بھی پیچھے کھڑی سفید کھلی جیپ میں بیٹھ گئے۔ انتہائی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر کے وہ شاہان ولا پہنچا تھا۔ وہ اندر آیا تو خاموشی اور سناٹے نے اس کا استقبال کیا۔

"پانی لے آؤ۔" کچن سے نکل کر سامنے آتی ہوئی صفیہ سے کہتا وہ صوفے میں دھنس گیا۔ وہ پانی لے آئی۔

"بابا آ گئے؟" گلاس ٹرے سے اٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"نہیں جی! وہ تو نہیں آئے پر نمو بی بی کے دو تین فون آئے تھے۔ آپ کا پوچھ..."

"کیا میں نے تم سے پوچھا کہ کس کا فون آیا تھا؟" اس کے درشتی سے کہنے پر وہ سٹپٹا گئی۔

"نہیں جی! پر وہ کہہ رہی تھیں۔"

"شٹ اپ۔" اس نے خاصی بلند آواز میں غصے سے کہا تو وہ کانپ گئی۔ "جتنا پوچھا جائے اتنا ہی بتایا کرو اور یہ کیسے گلاس میں پانی لے آئی ہو؟"

اس نے کانچ کے شفاف گلاس کو ناگواری سے دیکھتے سامنے سفید چمکتی دیوار پر دے مارا۔ کانچ ٹوٹ کر بکھر گیا اور بہتا ہوا پانی قالین میں جذب ہونے لگا۔ وہ صوفے سے اٹھا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ ہاتھ میں پکڑا سیل اور گاڑی کی چابی بیڈ پہ پھینک کر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

شاور لے کر اس نے کھولتے دماغ کو پرسکون کرنا چاہا تھا۔ شرٹ کے بغیر بلیک ٹراؤزر پہنے وہ باہر نکلا۔ روم فریج سے اسپیشل مشروب نکال کر وہ بیڈ کے دائیں طرف رکھی کرسی پر آ بیٹھا۔ وہ تین پیگ پی کر وہ خاموشی سے بیڈ پر آ لیٹا۔

☼ ☼ ☼

وہ جس وقت گھر آئے وہ اپنے روم میں جا چکا تھا۔ وہ اس کے کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں اے سی کی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے ہی بیڈ پر وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب چلے آئے۔ اس کے سرخ و سفید وجیہہ چہرے پر بھی سبز آنکھیں اس وقت بند

تھیں۔ وہ عالم مدہوشی میں تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر بکھرے سیاہ بال پیچھے ہٹاتے وہ واپس مڑے تو نظر سامنے میز پر دھری بوتل اور گلاس پر پڑی۔ ان کے اندر ناگواری کی شدید لہر اٹھی۔ مگر اس کے باپ ہونے کے باوجود وہ اس پر ایسا اختیار نہیں رکھتے تھے کہ اسے یہ زہر اندر انڈیلنے سے منع کر سکتے۔ اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھے۔ اگر روکا جاتا تو وہ ضد میں انتہا کر دیتا۔ انہوں نے ایک بے بس نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ساڑھے بارہ بجے جب اس کی آنکھ کھلی چند لمحے کسلمندی سے لیٹے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر دھرا موبائل اٹھایا۔ آفس کے علاوہ نمو اور حسن کی بھی مس کالز تھیں۔ اس نے موبائل واپس دھرا اور خود اٹھ گیا۔ طویل شاور لینے سے طبیعت پر چھایا بوجھل پن دور ہوا تھا۔ تولیہ بیڈ پر پھینک کر گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتا وہ نیچے چلا آیا۔ سیڑھیوں پر سے اترتے شاہان کو انہوں نے ایک نظر دیکھا اور وہ دوبارہ اخبار کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ نیچے آ کر اب سینٹرل ٹیبل پر دھرے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل رہا تھا۔ گلاس بھر کے وہ صوفے پر آ بیٹھا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ اخبار لپیٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"آپ سرفراز صاحب سے بات کر لیں کہ وہ..."

"سرفراز صاحب نہیں، تمہارے ماموں ہوتے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہی اسے ٹوک بیٹھے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے کندھے جھٹکے۔ "بہرحال آپ ان سے بات کر لیں۔ ان کی بیٹی کی رخصتی کے حوالے سے۔"

صفیہ کی لائی ناشتے کے لوازمات سے سجی ٹرے اپنی طرف کھسکاتے اس نے مغرور و بے نیازانہ انداز میں کہہ کر انہیں ایک بہت بڑی خوش خبری دے دی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟" انہیں یقین نہیں آیا۔

جس بات کے لیے وہ پچھلے چار سال سے اس پر زور دے رہے تھے اور وہ مان کے نہیں دے رہا تھا۔ آج وہی بات اس نے خود کہہ دی تھی۔

"میرے خیال میں میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو آپ کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ سرفراز صاحب سے رخصتی کی کوئی ڈیٹ لے لیں۔ نمو اسی ماہ کی ہو۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ اب چائے پینے لگا۔ جبکہ ان پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کی گاڑی "سرفراز ولا" کے سامنے آ رکی تھی۔ چوکیدار نے پہلے خاصی حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر مستعدی سے گیٹ کھولنے لگا۔ مگر وہ گاڑی اندر لے کر نہیں گیا۔

"کیا مطلب؟" اس کے گاڑی باہر ہی روکنے پر انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔ "تم اندر نہیں آؤ گے؟"

وہ تلخی سے مسکرایا۔ "میرا نہیں خیال کہ آج اندر میری ضرورت ہے۔"

"ضرورت نہ بھی ہو تو بھی تمہیں اندر چلنا چاہیے۔"

"پر جہاں میری ضرورت نہ ہو وہاں میں نہیں جاتا نہیں۔ یقین جانیے! جس دن ضرورت ہوئی ضرور جاؤں گا۔"

اس کی بات پر وہ مزید کچھ کہے بغیر اتر گئے۔ جانتے تھے وہ اب نہیں جائے گا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔

☼ ☼ ☼

سفید پینٹ پر سیاہ شرٹ پہنے، کالے بالوں کی اونچی سی پونی بنائے، آنکھوں پر گاگلز لگائے اس نے ہلکا سا

قہقہہ لگایا۔ ساتھ چلتی ثوبی کی بھی ہنسی نکل گئی تھی۔

"جازی! اِتم بھی نا۔" اس نے ہنستے ہوئے جازی کے کندھے پر ہلکا سا پنچ مارا۔ وہ بے چارہ ہاتھ میں تھامے ڈھیروں شاپنگ بیگز کی وجہ سے بس کراہ کر رہ گیا۔ وہ لوگ پارکنگ میں پہنچ چکے تھے۔ جازب نے سیاہ کرولا کا لاک کھول کر بیگ اندر رکھا۔

"اوہ نو۔" اس کے لبوں سے نکلا تو وہ دونوں بھی چونک گئیں۔

"کیا ہوا؟" ریحا کے پوچھنے پر اس نے اپنے سر پر ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔ "یار! ممانی کے کپڑے تھے ٹیلر کے پاس جو انہوں نے مجھے لازمی لانے کا کہا تھا۔ میں پانچ منٹ میں لے کے آتا ہوں۔"

وہ واپس مڑا تو وہ دونوں اسے غصے سے گھور کر رہ گئیں۔ وہ کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جب پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرتے شاہان کی نظر اس پر پڑی تھی۔ سیاہ شرٹ کی ہاف سلیوز پہنے وہ بے نیازی سے کھڑی تھی۔ بہت کھولتے دماغ کے ساتھ وہ اس کی طرف بڑھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" بنا کسی دوسری بات کے اس نے بہت غصیلے لہجے میں پوچھا تو وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

"آپ سے مطلب؟" اس کے یوں کہنے پر شاہان کا دماغ ایک سیکنڈ میں گھوما تھا۔

"میں نے پوچھا تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"اور میں نے بھی آپ سے کہا ہے کہ میرے پرسنلز کے متعلق سوال کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔" اس کی بات پر اس کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے۔

"مجھ سے زیادہ تمہارے پرسنلز جاننے کا حق کس کے پاس ہے مسز شاہان علی؟"

اس کی بات پر ریحا نے تنفر سے سر جھٹکا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی جب شاہان اسے چھوڑ کر جازب کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ابھی واپس آیا تھا اور خاصی حیرانی سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم!" اس نے جوزی کی شرٹ کا کالر پکڑ کر جھٹکا۔ ریحا ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔ جبکہ پاس کھڑی ثوبی خاصی خوف زدہ نظر آرہی تھی۔ پارکنگ میں موجود لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"آج کے بعد اس لڑکی کے آس پاس دائیں بائیں نظر مت آنا ورنہ۔" وہ ایک لمحہ رکا۔ اس کا لہجہ انتہائی تپش لیے ہوا تھا۔ "اگر صبح نظر آئے تو شام کا اور اگر شام کو نظر آئے تو اگلی صبح کا سورج دیکھنے کی تمنا دل میں مت رکھنا۔"

اس نے جازب کا کالر ایک جھٹکے سے چھوڑا۔ جو خوف زدہ نظروں سے کبھی اسے اور کبھی پیچھے کھڑے اس کے مسلح گارڈ کو دیکھ رہا تھا۔ آس پاس کھڑے لوگ بھی اپنا کام ادھورا چھوڑے ان کی طرف متوجہ تھے۔ وہ دو قدم واپس چلا اور پریشان سی کھڑی ریحا کے مقابل آیا اور پھر کسی کے بھی کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے ریحا کی دودھیا کلائی پکڑی اور اسے اپنی گاڑی کی سمت گھسیٹا۔ دروازہ کھول کر اس نے ریحا کو پسنجر سیٹ پر دھکیلا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس کے گارڈز بھی جیپ میں بیٹھ چکے تھے۔ وہ گاڑی پارکنگ سے نکال رہا تھا تو وہ جو شاک کے عالم میں بیٹھی تھی۔ تڑپ کر اس کی طرف پلٹی۔

"آپ۔" غصے سے اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"بس۔" شاہان نے کچھ ایسے انداز میں کہا تھا کہ اس کے تمام الفاظ اندر ہی رہ گئے تھے۔

"اب ایک لفظ نہیں۔" چبا چبا کر اس نے اتنے سرد سے انداز میں کہا تھا کہ وہ بس پیچ و تاب کھا کے رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان کی بات پر سرفراز علی نے خاصی حیرانی سے ان کی جانب دیکھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ان کی حیرانی ان کے الفاظ سے بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ جبکہ آسیہ بیگم یعنی

مسز سرفراز علی چہرے پر ناگواری سجائے خاموش بیٹھی تھیں۔

"کیوں ایسا کیا غلط کہہ دیا میں نے؟" انہیں سرفراز علی کی حیرانی پر حیرانی ہوئی۔ "ان دونوں کا نکاح ہوا ہے اب رخصتی تو ہونا ہے۔" انہوں نے سرفراز علی کو یاد دلانے کی کوشش کی۔

"آپ کی بات درست ہے۔ مگر تب وہ بچے تھے اب بڑے ہو چکے ہیں اور۔" سرفراز علی کی بات پر انہیں ایک دم غصہ آیا تھا۔ ان کی بات کاٹ بیٹھے تھے۔

"تو نکاح کرتے وقت تمہیں علم نہیں تھا کہ ایک دن انہیں بڑا بھی ہونا ہے؟" ان کے طنزیہ کہنے پر سرفراز علی جز بز ہوئے۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا بھائی صاحب! تب وقت اور حالات اور تھے۔ تب میں اور اب میں بہت فرق ہے۔ بیچ میں چودہ سال حائل ہیں اور ان چودہ سالوں میں کیا کیا ہو چکا ہے۔ وہ اگر میں جانتا ہوں تو لاعلم تو آپ بھی نہیں ہیں۔" سرفراز علی کی بات وہ بے حد خاموشی سے سن رہے تھے۔

"جہاں تک بات ان دونوں کی ہے تو یہ فیصلہ اب ان دونوں کو کرنا ہوگا کیونکہ یہ ان دونوں کی زندگی کا فیصلہ ہے اور ان دونوں کی مرضی سے ہی ہوگا۔" سرفراز علی نے بے بسی سے کہا۔

"میرے بیٹے کی مرضی اس رشتے کو نبھانے میں ہے سرفراز! تب ہی میں یہاں موجود ہوں اور جہاں تک ریحا کی بات ہے تو بھلے وہ بڑی ہو چکی ہے۔ پھر بھی ہے تو تمہاری بیٹی ہی نا۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا تو سرفراز علی پہلو بدل کے رہ گئے۔ جبکہ آسیہ بیگم کی پیشانی پہ پڑی شکنیں مزید گہری ہوئی تھیں۔

"بہرحال تم پوچھ لو اس سے۔ پھر دیکھتے ہیں۔" وہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر سرفراز علی سے ہاتھ ملا کر وہ باہر نکل آئے۔ جہاں شاہان کا بھیجا ہوا ڈرائیور ان کا منتظر کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جاہل گنوار۔ صحیح کہتے ہیں یہ لوگ جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں اندر سے ان پڑھ جاہل ہی رہتے ہیں۔" بہت غصے سے کہتے ہوئے اس نے اپنا چرمی بیگ صوفے پر پھینکا۔ پھر خود بھی صوفے پر گر کر لمبے لمبے سانس لے کر اپنا غصہ کنٹرول کرنے لگی۔

"پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ جیسے تمام دنیا اس کے باپ کی جاگیر ہی تو ہے۔ ایڈیٹ۔" سیاہ سینڈل سے پاؤں کو آزاد کرواتے وہ اپنی بھڑاس بھی نکال رہی تھی۔

"ہاؤ سویٹ۔" سیڑھیوں سے اترتی نیہا مسکرائی۔

"کتنے پیارے انداز میں میری سویٹ سسٹر میرے پیارے سے دولہا بھائی کو یاد کر رہی ہے۔" وہ ٹیرس سے ریحا کو شاہان کی گاڑی سے اترتا دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ چکی تھی۔ "ویسے ریحا!" اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس ریحا کو دیتے ہوئے ایک نظر اس کے غصیلے چہرے پر ڈالی۔ "آئی ہیو آ نیوز فور یو۔" پانی پی کر گلاس ٹیبل پر رکھتی وہ نیہا کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اسی جاہل گنوار ایڈیٹ ظالم وغیرہ وغیرہ نے آج اپنے فادر کو مما پاپا کے پاس بھیجا تھا۔ اس مطالبے کے ساتھ کہ اس کی کیوٹ اور سویٹ سی مسز کو اس کے ساتھ رخصت کیا جائے۔" وہ بہت آرام سے بتاتی ٹی وی آن کر چکی تھی۔

"واٹ؟" وہ اچھل پڑی۔ "اس کی ہمت کیسے ہوئی؟" غصے سے اس کا گلابی چہرہ سرخ ہو گیا۔

"پلیز سسٹر اِتم کی بات مما پاپا سے کہو۔ مجھے بور مت کرو۔" نیہا نے ایک پل کو نظریں ٹی وی سے ہٹا کر اس کے سرخ چہرے پر ڈالی۔

"ہوں۔" ایک لمبی سی سانس لے کر اس نے خود کو کمپوز کرنا چاہا۔

"مما اور ڈیڈ کہاں ہیں؟" اس نے نیہا کی طرف دیکھا۔

"انکل شیرازی کی طرف گئے ہیں۔" اس نے چینل تبدیل کرتے ہوئے بتایا۔

"ویسے ریحا!" کچھ دیر کی چینل سرچنگ کے بعد

اس نے خاموش بیٹھی ربحا کو مخاطب کیا۔ "آنی تھینک! تمہیں مما' پاپا کے بجائے شاہان سے بات کرنی چاہیے۔" وہ اب ربحا کی جانب متوجہ تھی۔

"ناٹ بیڈ آئیڈیا۔" اپنے سینڈل ہاتھ میں تھامے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں پوچھتی ہوں آپ نے اسی وقت انکار کیوں نہیں کیا؟" آسیہ بیگم نے غصے سے کہتے ہوئے سرفراز علی کی جانب دیکھا۔

"ایسے ایک دم کیسے انکار کر دیتا۔ وہ لوگ کتنے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں' تمہیں علم تو ہے۔" سرفراز علی نے بے بسی سے کہا۔

"تو کیا ہم اپنی بیٹی اس جہنم میں بھیج دیں گے؟" آسیہ بیگم کی بات پر انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"وہ میرا بھانجا ہے آسیہ! اس میں حرج بھی کیا ہے۔ اگر ہم۔۔۔"

"واہ سرفراز صاحب واہ۔ جب بات آپ کی بہن کی تھی تو حرج تھا اور اب میری بیٹی کی دفعہ کوئی حرج نہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر غصے سے بولیں۔ "کیا صرف اچھی شکل اور بے تحاشا دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاق' کردار' اس کی تربیت' ان سب کی کوئی اہمیت نہیں؟"

"وہ اس رشتے کو بنانا چاہتا ہے آسیہ۔" انہوں نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔

"اچھا!" آسیہ نے طنز سے انہیں دیکھا۔ "وہ آپ کا بھانجا ہی نہیں' اس گھر کا داماد بھی ہے۔ مگر پچھلے چودہ برسوں میں اس نے ایک بار بھی اس گھر کی دہلیز پار نہ کی اور زبیدہ آپا کے بیٹے کی شادی میں آپ کو دیکھ لینے کے باوجود وہ کیسے مغرور انداز میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا رہا تھا۔ آپ سے ملنا تک گوارا نہیں کیا تھا اس نے۔ رشتوں کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ وہ رشتہ نبھانا نہیں چاہتا۔ اپنی ضد پوری کرنا چاہتا ہے۔ مان لیجئے سرفراز لو۔ وہ جن لوگوں کے ہاتھوں پلا بڑھا ہے۔ جن لوگوں نے اس کی تربیت کی ہے۔ وہ انہی جیسا ہے۔ ضدی' مغرور' انا پرست' ہٹ دھرم اور خود کو خدا سمجھنے والا اور میں ایسے شخص کے ساتھ اپنی بیٹی رخصت کر کے اسے رول نہیں سکتی۔ آپ بھائی صاحب کو انکار کر دیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت احسن کے ساتھ اس کے فلیٹ پر تھا۔ باہر گہری ہوتی رات کے باوجود وہ بے حد آرام سے بیٹھا تھا۔ اس کا ارادہ فی الحال شاہان ولا جانے کا نہیں تھا۔

"سچ سچ بتا' تو اسے پسند کرتا ہے؟" احسن کی بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔

"لگتا ہے تجھے چڑھ گئی ہے جگر!" اپنی سبز خمار آلود آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑتے اس نے کہا۔ "اسی لیے کہتا ہوں شاہان علی سے مقابلہ لگا کر مت پیا کر۔"

"تو جب تو اسے پسند نہیں کرتا۔ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس سے نباہ نہیں کرنا چاہتا تو شادی کیوں کر رہا ہے؟" اب کی بار احسن نے تھوڑا جھنجلا کر پوچھا تھا۔

"میں کہاں کرنا چاہتا ہوں جگر۔ شادی تو ہو چکی ہے۔ اور ویسے بھی خوامخواہ کی فکریں اپنے چھوٹے سے دماغ پر سوار مت کریں۔"

اس کی بات پر احسن نے کندھے اچکائے۔ تب ہی اس کا سیل بجنے لگا۔ مگر وہ بے نیاز بنا ہوا تھا۔

"یار! فون اٹھا لے۔" احسن نے اس کی توجہ بجتے ہوئے سیل کی طرف دلائی تھی۔

"یہ ٹائم تیرا ہے۔ اس میں سے کچھ پل بھی کسی اور کو دے کر میں خیانت نہیں کر سکتا۔" اس کی بات پر احسن نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھ! میں تیری بیوی یا محبوبہ نہیں ہوں' جسے تو ڈائیلاگز سے متاثر کرنا چاہ رہا ہے۔ آنکھ کھول کر اور ہوش و حواس قائم رکھ کے دیکھ۔ میں تیرا دوست ہوں۔"

"تیرا کیا خیال ہے۔ میں اپنے حواسوں میں نہیں؟" اس نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

"انداز تو ایسے ہی ہیں۔ اچھا اب یا تو اسے اٹھا لے یا آف کر دے۔"

اس نے ایک بار پھر اس کی توجہ سیل کی طرف مبذول کی جو مسلسل بجے جا رہا تھا۔ اس نے کوفت سے سیل اٹھا کر آف کرنا چاہا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر آن کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کتنی ہی دیر سے اسے کال ملا رہی تھی۔ مگر وہ فون اٹھا ہی نہیں رہا تھا۔

"پتا نہیں کہاں گیا ہے جاہل انسان۔" سیل ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے وہ بڑبڑائی۔ وہ ننگے پاؤں چل رہی تھی۔ بے چینی اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ جبکہ پاس بیٹھی نیہا خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً" دوسری طرف سے فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"کیا سمجھتے ہو تم خود کو؟" وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

"تمیز سے۔ اس لہجے میں شاہان علی سے کبھی اس کے باپ نے بات نہیں کی۔ پہلی دفعہ ہے' معاف کر رہا ہوں۔ مستقبل میں خیال رکھنا۔"

وہ اس کی پہلی بات پر ہی اسے ٹوک چکا تھا۔ مغرور لہجے میں اس نے کہا تو وہ چڑ گئی تھی۔

"خوش فہمی ہے آپ کی۔ میں مستقبل میں آپ سے بھی بات کروں گی۔" اس نے چڑ کر غصے سے کہا۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"میں نے آپ کو اس لیے فون کیا ہے کہ آپ کو بتا دوں۔ مجھے مستقل آپ کا ساتھ قبول نہ تھا۔ نہ آج ہے اور نہ آنے والے کل میں ہو گا۔ ہم زندگی کے کسی بھی موڑ پر ساتھ نہیں چل سکتے۔ ہمارے راستے الگ تھے اور الگ رہیں گے۔ سو پلیز! آپ اپنے دل سے اس طرح کے تمام خیالات نکال دیں اور دوبارہ اپنے بابا جان کو ہمارے گھر مت بھیجئے گا۔ کیونکہ مجھے آزادی چاہیے۔"

فون بند ہوا تو اس نے سیل کان سے ہٹا کر جیب میں ڈال لیا۔

☼ ☼ ☼

تین بجے کا وقت تھا' جب وہ گھر میں داخل ہوا۔ وہ سامنے ہی اس کے منتظر بیٹھے تھے۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔" اس نے ذرا حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"کہاں تھے تم؟" انہوں نے اس کے سوال کے جواب میں سوال کیا تھا۔

"اسی دنیا ہی میں تھا۔" لاپروائی سے سر جھٹک کر اس نے جواب دیا۔

"میں نے پوچھا' کہاں تھے تم؟" انہوں نے اپنا سوال دہرایا۔ تو شاہان ہلکے سے مسکرایا۔

"چلیں! ٹھیک ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میں کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ پھر کیا کر سکتے ہیں آپ؟ کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے سوال کا جواب بھی خود ہی دیا تھا۔ "سو خوامخواہ پریشان مت ہوا کریں۔ جائیں آرام کریں جا کر۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"میں تو آرام کر لوں گا شاہان! مگر تم ایک بات سن لو۔" سیڑھیاں چڑھتے شاہان کو انہوں نے پیچھے سے پکارا۔

"سرفراز نے انکار کر دیا ہے۔ ربحا کو طلاق چاہیے۔"

ان کی بات پر وہ واپس مڑا۔ "بس اتنی سی بات؟" وہ ہولے سے ہنسا۔ "دے دوں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ تو وہ بھی ایک گہری سانس لیتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ مین روڈ پر تھا۔ جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ نمبر دیکھے بغیر ہی اس نے سیل کان سے لگایا۔ مگر دوسری

طرف سے آنے والی "ہیلو" کی آواز نے اسے اچھا خاصا مشتعل کردیا۔

"کون؟" وہ دانستہ انجان بن گیا۔

"آواز بھی بھول چکے ہو کیا؟" وہ سری طرف سے خاصے طنزیہ انداز میں کہا گیا تو اس کے بے حد سرخ لبوں پر تلخی سی مسکراہٹ پھیلی۔

"اس میں بھی آپ کا ہی قصور ہوگا۔ بہرحال اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی آپ؟" گاڑی ایک طرف کو روکتے وہ باہر نکل آیا۔

اس کے گاڑی روکتے ہی پیچھے آتی جیپ بھی رک گئی گارڈز باہر نکلنا ہی چاہتے تھے کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ پھر خود گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔

"میں تمہاری ماں بات کررہی ہوں شاہان!" دوسری طرف سے آتی آواز میں غصہ بدرجہ اتم موجود تھا۔

"اور رئیلی؟" اس نے قہقہہ لگایا۔ "اس دنیا میں میری ماں بھی رہتی ہے۔ یہ میرے لیے خاصی حیران کن بات ہے۔" سیاہ گاگلز کے پیچھے چھپی اس کی سبز آنکھوں میں تلخی کے ساتھ ساتھ نمی بھی اتری۔

"میں نے تمہاری فضولیات سننے کے لیے کال نہیں کی۔" وہ جھنجلا گئیں۔

"تو کیوں کی ہے؟ میری محبت میں تو ہرگز نہیں کی۔ یہ مجھے معلوم ہے۔ مگر وہ جو نہیں معلوم جس کی وجہ سے کی ہے۔ وہ وجہ بھی بتادیں ڈیر مام!"

"تم ریحا کا پیچھا چھوڑ دو۔ آزاد کردو اسے اس رشتے سے۔" وہ ان کی بات سن کر ہلکا سا مسکرایا۔

"تو بھتیجی کی محبت میں آپ کو مجھ سے بات کرنا پڑی۔ ابھی تو آپ خود کو میری ماں کہہ رہی تھیں۔ کیسی ماں ہیں آپ؟ اپنے بیٹے کے دل کی خوشی چھین لینا چاہتی ہیں؟"

"وہ تمہارے دل کی خوشی نہیں ہے۔ اور یہ بات مجھ سے زیادہ تم بہتر جانتے ہو۔ اس لیے آزاد کردو اسے۔ اور کرلو اپنے باپ کے خاندان سے۔ اپنی کسی پھپھو، تایا، چچا کی بیٹی سے شادی جو تمہارے جیسی اور تمہارے سینس لیول کی ہوگی۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔ "ایک بات تو ابھی اور اسی وقت کلیئر کرلیں۔ میں اپنے باپ کے خاندان سے شادی کروں نہ کروں، اپنی ماں کے خاندان سے کی ہوئی شادی ضرور نبھاؤں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

☆ ☆ ☆

ہلکے سبز رنگ کا سوٹ پہنے، بالوں کو کیچر میں جکڑے، وہ خاصی معصوف سی تھی۔

بیڈ پر بکھرے کپڑوں کو الگ کرتے ہوئے اس نے سیاہ بیگ میں رکھا۔ وہ پندرہ دنوں کے لیے کراچی جارہی تھی جہاں اس کی کزن کی شادی تھی، جو اس کی صرف خالہ زاد ہی نہیں بہت اچھی دوست بھی تھی۔ اس کی شادی میں شرکت کے لیے گھر سے بس وہی جارہی تھی۔ پاپا آفس کی وجہ سے اور مما پاپا کی وجہ سے نہیں جارہی تھیں۔ جبکہ نیہا کا فائنل سمسٹر چل رہا تھا۔ لے دے کے ایک وہی بچتی تھی سو خوشی خوشی تیار ہوگئی۔ ابھی وہ اپنی پیکنگ کررہی تھی۔ جب نیہا اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں چند میگزینز تھے، جو اس نے لاکر ریحا کے پاس رکھے۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"مما نے دیے ہیں حورعین کے لیے۔" نیہا وہیں اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"سیٹ کنفرم ہوگئی؟" ریحا کے اشارہ کرنے پر وہ اس کا گولڈن پاؤچ اٹھا کر دیتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آف کورس!" پاؤچ اس کے ہاتھ سے لے کر اس نے بیگ میں رکھا۔ پھر بیگ بند کرکے ایک طرف رکھ کر وہ مطمئن سے انداز میں بیٹھ گئی۔

"ویسے ریحا! تمہیں کیا لگتا ہے۔ وہ اتنی آسانی سے مان جائے گا؟" اپنے بالوں کو کیچر سے آزاد کرواتے اس نے ناسمجھی سے نیہا کی جانب دیکھا۔

"وہ کون؟"

"شاہان اور کون؟" نیہا کے کہنے پر اس نے سر

جھٹکا۔

"اگر اس میں شرم و غیرت ہے تو یقیناً۔۔۔"

"بٹ ریحا! مما کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت ضدی انسان ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ وہ اتنی جلدی اور آسانی سے تمہاری جان چھوڑ سکتا ہے۔" نیہا خاصی پریشان تھی۔

"ڈونٹ وری نیہا! وہ کیا کرسکتا ہے بھلا؟" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت فریش موڈ کے ساتھ بیٹھا ان کے ساتھ ناشتا کررہا تھا۔

"آپ آفس آئیں گے کیا؟" اورنج جوس کا گلاس اپنے سامنے رکھتے اس نے ان سے پوچھا۔

"نہیں! مجھے کہیں اور جانا ہے۔" اخبار لپیٹ کر رکھتے وہ بولے۔ ان کی بات پر سر ہلا کر وہ جوس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" انہوں نے چائے کا گھونٹ لے کر اس سے پوچھا تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"کس بارے میں؟"

"ریحا کے بارے میں۔"

ان کی بات پر وہ ایک لمحہ خاموش ہوا تھا۔ وہ پچھلے ہفتے سے اس بارے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ ہر بار بہت خوب صورتی سے ٹال جاتا تھا۔

"سوچ لیں گے پاپا! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" انہیں جواب دیتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلتا ہوں۔" رسٹ واچ پر وقت دیکھتا، وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اس کے مجسم سے رویے پر الجھتے احسن کے سامنے آبیٹھے۔ جب سے انہوں نے ان لوگوں کے طلاق کے معاملے کے متعلق بتایا تھا، وہ خاموش تھا۔ ان کے بار بار پوچھنے کے باوجود وہ کچھ بتا نہیں رہا تھا کہ اس کا کیا ارادہ تھا۔ احسن سے تمام باتیں بیان کرکے انہوں نے اپنی الجھن اس سے بانٹی تھی۔

"مجھے اس کی خاموشی سے ڈر لگ رہا ہے احسن! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجائے اور وہ بنا کوئی ردعمل ظاہر کیے یوں خاموشی سے بیٹھ جائے۔ تمہیں کیا لگتا ہے، کیا ارادہ ہے اس کا؟"

"آئی ڈونٹ نو انکل!" احسن نے خاصے شرمندہ لہجے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ "ایکچوئلی انکل! اس کے دل و دماغ میں کس وقت کیا چل رہا ہوتا ہے یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ وہ اپنے اندر کی بات کسی سے شیئر نہیں کرتا۔ میں نے ایک، دو بار کوشش بھی کی ہے۔ مگر وہ بہت آسانی اور خوب صورتی سے دامن بچا جاتا ہے۔" احسن کی بات سن کر وہ اور پریشان ہوگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ کب سے کمرا بند کیے خود اذیتی کے عالم میں تھا۔

"تو ڈیر ماں جان! آپ نے اتنے سالوں بعد یاد بھی کیا تو میری محبت میں نہیں، میرے لیے نہیں، بلکہ اپنی پیاری بھتیجی کے لیے۔" سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑتے اس نے تلخی سے سوچا۔

"اس لیے کہ میں آپ کی پیاری بھتیجی کو آزاد کردوں۔ کیونکہ وہ نازوں پلی، نازک سی ریحا علی مجھ جیسے پتھر دل کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔"

تلخی سے سوچتے ہوئے وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونکے چلے جارہا تھا۔

"تو میں پتھر دل ہوں ماں جان!" وہ زہر خند لہجے میں بڑبڑایا۔ "تو مجھے پتھر دل بنایا کس نے؟" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"بہرحال ماں جان آپ کی یہ خواہش تو پوری نہیں ہوسکتی۔ کم از کم میری زندگی میں تو ہرگز نہیں۔" تلخ سے انداز میں خود کلامی کرتے وہ آخر میں ہولے سے مسکرایا تھا۔

سفید کاٹن کی پینٹ پر سلیولیس ہلکے گلابی رنگ کی قمیص پہنے اس نے میچنگ پونی سے بال باندھ رکھے تھے۔ لکڑی کے جھولے پر بیٹھے ہوئے اس نے سیل پر جاذب کا نمبر ملایا۔

"ہائے جاذب! کہاں ہو تم۔ میں بزی رہی تو تم دونوں کو بھی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک کال ہی کرلو۔" جیزی کے کال ریسیو کرتے ہی وہ بلا توقف شروع ہوچکی تھی۔

"مجھے کہاں جانا تھا بس یہیں تھا۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"اچھا سنو! میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جارہی ہوں تو ابھی تم لوگ آجاؤ۔ انجوائے کریں گے۔"

اس کی بات پر وہ کچھ پل کے لیے خاموش ہوا تھا۔

"ایم سوری ریحا! بٹ اٹس نوٹ پاسبل۔" چند لمحوں بعد وہ بولا۔

"او کے! تم ثوبی کو کال کرو۔ میں بھی وہیں آجاتی ہوں۔" اس نے وال کلاک پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بوکھلا گیا۔

"نو ریحا! پلیز تم مت آنا۔"

"کیا مطلب؟ کیوں نہ آؤں؟" وہ جھولے سے اٹھتے اٹھتے رہ گئی۔

"ریحا میں۔" وہ کوئی بھی وجہ بتانے سے قاصر تھا۔

"جاذی! مجھے بتاؤ' تمہارے اس طرح کے رویے کی کیا وجہ ہے؟" وہ الجھ گئی۔

جاذب اس کی بات کے جواب میں خاموش رہا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ خود ہی نتیجے پر پہنچی تھی۔ "اوہ! اٹس تم شاہان کی وجہ سے تو نہیں۔" بات ادھوری چھوڑ کے خاموش ہوگئی۔ دوسری طرف چپ تھا یا اعتراف ہی تھا۔

"او مائی گاڈ! تم اتنے ڈرپوک بھی ہوسکتے ہو۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔"

"میں بزدل نہیں ہوں ریحا۔" وہ اس کی بات پر تڑپ اٹھا۔

"تو پھر اور کیا ہو؟" وہ طنز سے بولی۔

"اس نے ممی ڈیڈی کو دھمکی دی ہے کہ میں نے کبھی تم سے کسی بھی قسم کا رابطہ رکھا تو وہ مجھے ختم کروا دے گا۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں ریحا! اور وہ میرے لیے کتنے پوزیسو ہیں' یو نو دیٹ۔" ناچار اسے حقیقت بتانا پڑی۔

"ممی نے رو رو کر مجھے کہا ہے میں تم سے کبھی نہ ملوں' نہ بات کروں۔" ساری بات بتا کر وہ خاموش ہوگیا' ادھر ریحا کا غصے اور شرمندگی سے برا حال تھا۔ اس کی وجہ سے جاذب اور اس کے والدین کو کتنی ذہنی اذیت اٹھانی پڑی تھی۔ وہ شرمندہ ہوگئی تھی اور یہ شاہان علی۔ اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

✿ ✿ ✿

"تمہارا باپ آیا تھا' تمہاری وجہ سے بہت پریشان تھا۔" وہ ان کے سامنے آکے بیٹھا ہی تھا جب انہوں نے کتاب سے نگاہ ہٹائے بغیر اسے مطلع کیا تھا۔

"میری وجہ سے؟" اس نے لہجے میں مصنوعی حیرانی پیدا کی۔ "میں بے چارہ بھلا کسی کو کیا پریشان کرسکتا ہوں۔ خواہ مخواہ کا ہمپال رکھا ہے انہوں نے۔"

"خواہ مخواہ کا؟" انہوں نے اس سے اگلوانے کی کوشش کی۔

"میں کیا کروں' کچھ کرتا ہوں تو بھی انہیں پریشانی ہوتی۔ نہیں کیا تب بھی پریشان ہیں۔" ایک ہاتھ سے بال سنوارتا وہ معصومیت سے بولا۔

"وہ تمہارا باپ ہے۔" انہوں نے اسے یاد دلایا۔

"اور آپ ان کے باپ ہیں۔" اس نے بھی انہیں یاد دلایا۔ تب وہ کتاب بند کرکے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"وہ الیکشن میں حصہ لینا چاہتا ہے۔"

"واقعی؟ میری تمام نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔" اس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"اسے ڈر ہے تم اس کے لیے کوئی مسئلہ نہ کھڑا کرو۔" انہوں نے اس کے باپ کی پریشانی کی اصل

وجہ بھی بتادی۔

"اور میں سوچتا تھا' وہ میرے لیے پریشان ہیں۔" دل نے یہ کہا تھا۔ مگر زبان سے کچھ اور ادا ہورہا تھا۔

"میں غریب' مسکین' ساہندہ' ہر گھڑی روزی روٹی کے چکر میں پھنسا رہتا ہوں۔ میں نے کیا پرابلم کھڑی کرنی ہے کسی کے لیے۔" اس نے کچھ شرارت سے کہا تو وہ بھی زیر لب مسکرائے مگر بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

"تم غریب ہو؟"

"کیا آپ نہیں جانتے؟"

"جو کلائی پہ گھڑی باندھ رکھی ہے' ذرا اس کی مالیت بتاؤ گے؟" اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑے انہوں نے پوچھا تو وہ ذرا آگے کو جھکا تھا۔

"یہ آپ نے انکم ٹیکس والوں سے کب سے دوستی گانٹھ لی ہے؟" اس کا اشارہ تایا فاروق علی کی طرف تھا جو انکم ٹیکس میں بہت اہم سیٹ پر تھے۔ "ویسے آپ انہیں بتادیجئے گا۔ میں ہر سال ٹیکس بڑی باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ چاہیں تو ریکارڈ چیک کرسکتے ہیں۔" وہ بات دوسری طرف لے جانا چاہتا تھا اور یہ وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ تب ہی اصل بات کی طرف خود ہی آگئے تھے۔

"تو ریحا علی نے شاہان علی سے طلاق مانگ لی ہے؟"

"بہت برا کیا۔" ان کی بات کے جواب میں اس نے افسوس سے سرہلایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب اسے شاہان علی جیسا دوسرا کہاں ملے گا۔"

"تو تم نے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" اس نے اپنی سبز آنکھیں اٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟"

✿ ✿ ✿

"ریحا!"

اپنی سوچوں میں الجھی وہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی۔ اپنے کمرے سے نکلتے سرفراز علی نے اسے پکارا۔ وہ چونک گئی۔

"جی پاپا!" وہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو بیٹا۔" انہوں نے اس سے شفقت سے پوچھا۔ وہ شاہان کی حرکت کی خبر دے کر انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے مسکرائی۔

"نو نتھنگ پاپا! تھوڑا بور ہورہی تھی۔"

"کوئی اور تو پرابلم نہیں نا بیٹا؟" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

"نو پاپا!" اس نے مسکرا کر انہیں یقین دلایا۔

"اپنے پاپا کے ہوتے کبھی بھی فکر مند یا پریشان مت ہونا بیٹا۔ تمہارے پاپا ہر قدم' ہر جگہ تمہارے ساتھ ہیں۔" اس کے سر کو نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"آئی نو پاپا!" اس نے اپنا سر ان کے کندھے پر رکھا۔

"کیا خیال ہے بیٹا! آج ڈنر باہر نہ کریں؟" ان کی بات پر اس نے ان کے کندھے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"رئیلی پاپا۔"

"آف کورس مائی چائلڈ!" وہ مسکرا کر بولے تو وہ فوراً اٹھی تھی۔

"میں نیہا کو بتاتی ہوں۔" وہ اس کی خوشی دیکھتے ہولے سے مسکرائے تھے۔

✿ ✿ ✿

بہت عرصے بعد اس نے آج روحینہ کے فلیٹ کی طرف رخ کیا تھا۔ روحینہ کو یہ فلیٹ بھی خود اسی نے لے کردیا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی کھل اٹھی۔

"آج تو ہمارے بخت کا تارہ چمک اٹھا جو آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ویسے یہ احسان اتنے دنوں

بعد کیوں؟" وہ خوشی سے اس کے سامنے بچھی جارہی تھی۔

"ہر چیز اس کی ضرورت کے وقت ہی استعمال کی جاتی ہے۔" صوفے پر پھیل کر بیٹھتے وہ بولا تو وہ ہنس دی۔

"گویا ہم آپ کی ضرورت بن چکے ہیں؟" وہ بہت ناز سے اٹھلائی۔

"ہو سکتا ہے۔ مگر میں ضرورت کو عادت نہیں بننے دیتا۔ کیونکہ ضرورت کہیں سے بھی پوری کی جاسکتی ہے۔ عادت بدلنا خاصا مشکل اور بعض دفعہ ناممکن ہو جاتا ہے۔" اس نے اس کے ناز کو خاک میں ملانا چاہا تھا۔

"آپ نہ بھی بتاتے تو ہم جانتے تھے۔ کیونکہ ہم آپ کے الفاظ اور عادت ہی کو نہیں آپ کو بھی حفظ کر چکے ہیں۔"

اس کے گھنے سیاہ بالوں میں اپنی لانبی انگلیاں پھیرتے وہ ہولے سے مسکائی تھی۔

"خوب! تو جاننے کا دعوا ہے؟" اپنی خمار آلود سبز آنکھیں اس کے خوب صورت سراپے پہ جماتے ہوئے اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہماری اوقات کہاں کہ ایسا دعوا کر سکیں۔ آپ تو ہمارے دل میں بستے ہیں۔ آپ کو تو وہ بھی نہیں جانتے جو خود آپ کے دل میں بستے ہیں۔"

اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"میرے دل میں کہاں کوئی بستا ہے؟" اس نے روحینہ کی بات جھٹلائی۔

"جانے دیجیے صاحب! انجان ہی سہی مگر ہم اتنے بھی بے خبر نہیں۔"

"جاننے کا دعوا بھی ہے۔ انجانے پن کے قصے بھی سناتی ہو۔ تم ہو کیا چیز؟"

"کچھ نہیں بچے بھی تو نہیں بس آپ کے قدموں کی دھول۔" وہ اٹھلا کے بولی۔

☆ ☆ ☆

"میری طرف سے خالدہ کو بہت سا بلیک کیوز کرنا بیٹا! اور اپنا بہت سا خیال رکھنا۔ کھانے پینے میں لاپروائی بالکل مت برتنا۔" وہ مسلسل ہدایت دے رہی تھیں۔

"میں چھوٹی بچی نہیں ہوں مما!" وہ تھوڑا جھنجلائی۔

"میرے لیے تم آج بھی چھوٹی سی بچی ہی ہو۔" اس کی پیشانی چومتے انہوں نے پیار سے کہا۔

میرون قمیص کے ساتھ سیاہ پاجامہ پہنے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ایئرپورٹ تک چلتی مگر تابش نے اچانک آنے کا پروگرام بنالیا تو بیٹا! اچھا نہیں لگتا۔ اب اسے منع کروں تو؟"

"کوئی بات نہیں مما! اور ویسے بھی میں کون سا سات سمندر پار جارہی ہوں یا بہت سارے سالوں یا مہینوں کے لیے۔"

ڈرائیور نے اس کا سامان گاڑی میں رکھ دیا تھا۔

"او کے مما!" وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"مس یو بیٹا!" انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "اور ہاں جاتے ساتھ ہی اپنی خیریت سے آگاہ کر دینا۔"

وہ سر ہلا کر گاڑی میں آبیٹھی۔

☆ ☆ ☆

وہ خاموش سی بیٹھی باہر کے نظاروں میں مگن تھی۔ جب گاڑی ایک جھٹکے سے بند ہوئی تھی۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"پتا نہیں بی بی! چیک کرتا ہوں۔" وہ گاڑی سے باہر نکل کر اب بونٹ پر جھکا ہوا تھا۔ وہ کوفت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر شیشہ نیچے کیے اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ صبح ساڑھے دس کا ٹائم تھا اور اس وقت صبح والی افراتفری تو نہیں تھی۔ پھر بھی روڈ پر اچھی خاصی گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ان کی گاڑی جہاں بند ہوئی تھی سیہ جگہ اسلام آباد ایئرپورٹ سے تقریباً چالیس منٹ کی ڈرائیو پر تھی۔

"بی بی!" وہ سامنے نظر آتے ایک ریسٹورنٹ پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ جب ڈرائیور نے اسے پکارا تھا۔ وہ نظروں کا زاویہ تبدیل کرتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ گاڑی جیسے ہی اسٹارٹ ہوتی ہے۔ فوراً بند ہو جاتی ہے۔" وہ نظریں جھکائے بتا رہا تھا۔

"تو اب کیا ہوگا؟" اس نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

"بی بی! میں نے گلزار کو فون کیا ہے۔ مگر اس کو گیراج سے یہاں تک آتے کم از کم گھنٹہ لگ جائے گا۔"

اس نے دوبارہ گھڑی دیکھی اگر وہ پاپا کو کال کر کے دوسری گاڑی منگواتی تو بھی کم از کم گھنٹہ لگ سکتا تھا اور یہاں سے آگے چالیس منٹ کی مزید ڈرائیو۔ جبکہ اس کی فلائٹ بارہ بجے کی تھی۔ اس نے خاموشی سے حساب لگایا۔

"یہاں سے کوئی کیب نہیں مل سکتی؟" یہی آخری حل تھا جو اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

"میں کوشش کرتا ہوں بی بی!" وہ گاڑی سے ہٹ کر آ کھڑا ہوا۔ وہ بہت بے چین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد وہ اس کے پاس آیا۔

"بی بی!" اس نے اس کے شیشے پر ذرا سا جھکتے ہوئے اسے پکارا۔ "میں نے ایک گاڑی روکی ہے' وہ سیالکوٹ جارہی ہیں۔ وہ بھی ایئرپورٹ ہی جارہے ہیں ان کے کسی عزیز نے آنا ہے۔ وہ آپ کو لفٹ دے سکتے ہیں۔"

ڈرائیور کی بات پر اس نے اپنی گاڑی سے چند فٹ آگے کھڑی سفید کرولا کو ایک نظر دیکھا اور نیچے اتر آئی۔

"تم میرا سامان نکالو۔" ڈرائیور نے مستعدی سے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

وہ ڈرائیور کے پیچھے چلتی ہوئی اس سفید کرولا کے پاس آگئی۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا تھا۔ جہاں ایک خاتون پہلے سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ چالیس سال کی بہت سادہ سے حلیے والی عورت نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ بھی مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم!" اس نے مسکرا کر سلام کیا تھا۔ وہ بھی مسکرا کر جواب دیتی سامنے کی طرف دیکھنے لگیں۔ آگے بیٹھے شخص نے گاڑی بڑھالی تھی۔ تقریباً دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد اس نے گاڑی دوسری سمت موڑلی۔

"یہ کیا؟" اس نے حیرت سے ساتھ بیٹھی خاتون سے پوچھا۔ "انہوں نے گاڑی دوسری طرف کیوں موڑلی ہے؟" اس کی بات کے جواب میں وہ دوسری طرف خاموش تھی۔

"میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ۔"

"شش!" اس عورت نے اپنے لبوں پر انگلی رکھ کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اس عورت کے انداز پر اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

پورے راستے وہ سوچتی آئی تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس بڑے سے سفید گیٹ کے سامنے گاڑی آکھڑی ہوئی تو تمام بات اس کی سمجھ میں آگئی۔

"شاہان علی نے اپنی اصلیت دکھائی دی۔ وہ گھٹیا پن پہ اتر آیا ہے۔" گیٹ وا ہوتے ہی گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ جہاں سامنے ہی وہ پلو سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مگر وہ اکیلا نہیں تھا۔ کچھ اور لوگ بھی تھے وہاں گاڑی کے رکتے ہی وہ اس طرف چلا آیا۔ اس کے آتے ہی آگے بیٹھا مرد اور پیچھے بیٹھی عورت اتر کر چلے گئے۔ گویا وہ اس سے ملے ہوئے تھے۔ صرف وہی نہیں' خود اس کے باپ کا رکھا ہوا ڈرائیور بھی۔

شاہان نے دروازہ کھولا تھا۔

"میں تمہیں بہت عزت سے یہاں لانا چاہتا تھا۔ مگر عزت تمہیں اور تمہارے باپ دونوں کو راس

نہیں آئی۔" وہ ذرا سا جھک کر کھڑا تھا۔ وہ ابھی تک شاک کے عالم میں بیٹھی تھی۔

"اب نیچے آجاؤ۔ یہ سب لوگ تمہارے استقبال کے لیے بے تاب کھڑے ہیں۔" اس نے سامنے کی طرف اشارہ کیا تھا تو اس نے نظریں اٹھا کر سامنے کھڑے لوگوں کی طرف دیکھا۔

بہت عرصے بعد نظر آنے والے ان چہروں کو وہ ابھی تک پہچانتی تھی۔ سب سے آگے زینب جنہیں بچپن میں وہ سب آپی کہتے تھے۔ بہت محبت لیے وہ کھڑی تھیں۔ ان کے بعد بہت سرخ و سفید رنگت والے بہت رعب و دبدبے والی مضبوط شخصیت شاہان علی کے بڑے ابا۔ ان کے چہرے پر بھی اس وقت نرم سی مسکراہٹ تھی۔ ان دونوں سے چند فٹ کے فاصلے پہ کھڑی شاہان علی کی بڑی تائی اور چھوٹی چاچی تھیں۔ ان کی دو تین کزنز اور اس کی اکلوتی پھپھو صاحبہ۔ ان سب چہروں پر اس کے لیے نفرت اور بے زاری تو تھی ہی مگر ایک اور چیز بھی تھی اور وہ تھا تجسس۔ اس تماشے کو دیکھنے کا' جو ابھی وہاں برپا ہونے والا تھا۔ ان لوگوں کے چہروں سے نگاہ ہٹا کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ شاید اپنا کوئی حمایتی 'کوئی مددگار نظر آجائے۔ مگر وہ شاہان علی کی حویلی تھی۔ وہاں اس کا راج اس کا حکم چلتا تھا۔ وہاں رہنے والے تمام فرد اس کے اپنے تھے۔ وہاں اس کا کوئی حمایتی 'کوئی مددگار نہیں تھا۔ وہاں کوئی بھی احتجاج 'کوئی بھی ہنگامہ سوائے آپ اپنا تماشا بنوانے اور وہاں موجود لوگوں کو اس تماشے سے محظوظ کرنے کے کچھ اور نہ ہوتا۔

اسے بہت طریقے' بہت سمجھ سے چلنا تھا۔ اس نے لمحوں میں فیصلہ کیا تھا۔ اسے ایسا کچھ بھی نہیں کرنا تھا' جو اسے اس کی ذات کو مزید تماشا بناتا۔ "ایک منٹ۔" شاہان نے ہاتھ میں تھامی سیاہ چادر جو چھوٹے شیشوں سے مزین تھی اس کی گود میں پھینکی۔

"اترنے سے پہلے اسے اوڑھ لو۔ کیونکہ جو لباس تم نے پہنا ہوا ہے' یہ تمہارے ہاں بھلے ہی فیشن کی علامت سمجھا جاتا ہو۔ ہمارے ہاں بے ہودگی اور بے غیرتی سمجھا جاتا ہے۔" طنز سے کہتا وہ اب سیدھا کھڑا تھا۔

ریحا نے ایک نظر گود میں پڑی سیاہ چادر کو دیکھا۔ جی تو چاہ رہا تھا اس چادر سمیت یہاں موجود ہر شے بشمول شاہان علی کے تیل چھڑک کر آگ لگا دے۔ مگر یہ وقت جذباتیت دکھانے کا نہیں تھا۔ اس نے خاموشی سے گود میں پڑی سیاہ چادر اوڑھ کر باہر قدم نکالا۔

"بسم اللہ!" زینب آپی محبت سے کہتی آگے بڑھی تھیں۔ "کیسی ہو میری جان؟" بہت محبت سے اسے گلے لگاتے انہوں نے پیار سے پوچھا۔

اس نے ہولے سے سر ہلایا۔ وہ اسے تھامے بڑے ابا کے سامنے لائی تھیں۔ جنہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دی۔ پھر فورا" "فورا" سب سے مل کر وہ زینب آپی کے ہمراہ اندر آگئی۔ انہوں نے اسے صوفے پر لا بٹھایا تھا۔

وہ ششدر سی بیٹھی تھی۔ وہ گھر سے خالہ کے گھر کراچی جانے کے لیے نکلی تھی اور یہاں شاہان علی کی حویلی آپہنچی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔ جب وہ حویلی پہنچی تھی اور اب چار بج رہے تھے۔ زینب آپی اسے یہاں کمرے میں لائی تھیں۔

"تھک گئی ہو گی۔ تھوڑا سا آرام کر لو۔" زینب آپی اسے کہہ کر باہر چلی گئیں۔ اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ دیوار کے ساتھ رکھا ہلکے آسمانی رنگ کی بیڈ شیٹ والا بیڈ' بیڈ کے بالکل سامنے رکھا ڈریسنگ ٹیبل' اس کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ رکھی لکڑی کی تین کرسیاں' ایک دیوار کے ساتھ بنی وارڈروب۔ کمرا بہت سادگی سے آراستہ کیا گیا تھا۔

کمرے سے ہوتی اس کی نگاہ ایک طرف رکھے اپنے سامان کی طرف اٹھی تھی۔ بہت تیزی سے اس نے اپنا سفید بیگ اٹھایا تھا۔ پھر جلدی سے زپ کھول کر

اس نے سیل نکالنا چاہا۔ مگر پرس میں سب کچھ ویسا ہی رکھا تھا سوائے سیل فون کے۔ اس نے سارا پرس بیڈ پر الٹ دیا تھا۔ ہیئر برش' لپ اسٹک' ٹشوز کے پیکٹ' سکارف' ایک چھوٹا اور سیاہ والٹ' سب کچھ تھا۔ سیل فون نہیں تھا۔ تو اس کا سیل فون نکال لیا گیا تھا۔ کب۔ جب اب سے آدھ گھنٹہ پہلے اس سے پرس لے کر اندر رکھا گیا تھا۔

"اب کیا کروں؟" تمام چیزیں واپس رکھ کے اس نے تھک کر سوچا۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت سرشار سا برآمدے کے آگے لگی سفید گرل کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے موبائل پکڑ کر کان سے لگایا ہوا تھا۔ وہ دوسری طرف سے کسی کے فون اٹھانے کا منتظر تھا۔ آسیہ بیگم نے سیل پر نظر آتے ریحا کے نمبر کو خوشی سے دیکھتے کال ریسیو کی تھی۔

"ہاں میری جان! پہنچ گئی ہو؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیسی ہیں میری پیاری سی ساسو ماں؟" دوسری طرف سے آتی آواز نے انہیں حیران کر دیا۔

"تم؟" ان کے تم میں حیرت بھری الجھن تھی۔ "تمہارے پاس ریحا کا سیل کیسے آیا؟"

"ہاہاہا۔" اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ "میرے پاس آپ کی ریحا کا سیل ہی نہیں' آپ کی پیاری سی ریحا بھی ہے اور یہی بتانے کے لیے میں نے آپ کو کال کی ہے کہ آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوتی رہیں۔"

"کیا بکواس ہے یہ؟" انہوں نے اشتعال سے پوچھا۔ "ریحا تو کراچی گئی ہے۔ تمہارے پاس کیسے آسکتی ہے؟" وہ ان کے مشتعل ہونے پر محظوظ ہوا تھا۔

"بہت بھولی ہیں آپ ماں جی۔ جب اس کا اتنا پیار کرنے والا شوہر یہاں پر ہے تو وہ کراچی جا کر کیا کرے گی۔ وہ تو یہاں ہے میرے پاس۔ میرے قریب۔" بہت لطف لیتے ہوئے کہتا وہ انہیں زہر لگ رہا تھا۔

"تم؟" بہت غصے سے انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ مگر اس نے فورا" انہیں ٹوک دیا۔

"پلیز ماں جی! ابھی کافی کام ہیں' جو مجھے کرنے ہیں۔ باقی تفصیلی بات تو بعد میں ہو گی۔" اس نے مسکرا کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ بے حد پریشان سی بیٹھی تھی۔ بہت سا سوچنے کے باوجود بھی اسے یہاں سے نجات یا فرار کی کوئی راہ نہیں سجھائی دے رہی تھی۔ ہر راستہ بند گلی میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اسے یوں بے بس کر دیا گیا تھا کہ بہت کچھ چاہنے کے باوجود بھی وہ کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ تقدیر نے اسے شاہان علی جیسے ظالم انسان کے سامنے لا پھینکا تھا۔ بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ جب وہ مضبوط قدموں سے چلتا اندر آیا۔ اس نے لاک لگایا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور اپنے سامنے کھڑے شاہان علی کو دیکھ کر وہ بری طرح پریشان ہو گئی۔

وہ یہاں کیوں آیا تھا؟ اس سوچ نے اس کے اندر بے چینی سی بھر دی۔ وہ چلتا ہوا بیڈ پر اس کے سامنے آبیٹھا پھر جیب سے ڈبیا نکال کر سگریٹ سلگائی۔ گہرا سا کش لے کر اس نے ریحا کی طرف دیکھا۔

"چچ چچ چچ۔ تو ریحا شاہان علی بے خبری میں ہی ماری گئی افسوس۔" وہ اس کی بے بسی پر مسکرایا۔

"یہ جو آپ نے کیا ہے نا! اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔" چوکنے انداز میں بیٹھی وہ اسے آنے والے وقت سے ڈرانے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "ویل ڈیئر مسز! یہ جو تمہارا سر پھرا ہے نا' یہ ہر کام ہر قسم کے نتائج سے بے پروا ہو کر کرتا ہے۔ صرف اپنے دل کی مان کر۔ اب کیا کیا جائے۔" اس نے کہنیوں تک کف الٹتے ہوئے اسے دیکھا۔ "یہ تو ایسا ہی ہے۔ خیر! ابھی ان

باتوں کو چھوڑو۔ کل کی کل دیکھی جائے گی۔ ابھی تو ان لمحوں کی خوب صورتی کو محسوس کرو۔"

ایک دم سے اپنا انداز تبدیل کرتے اس نے ریحا کی سفید کلائی تھام لی وہ پھر گئی۔

"ڈونٹ ٹچ می۔" غصے سے کہہ کر اس نے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کے یوں غصہ ہونے پر وہ اور بھی مشتعل ہو گیا۔ ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچتے اس نے طنزیہ اسے دیکھا۔

"ورنہ کیا کرو گی تم؟" اس نے اسے اپنے بے حد قریب کر لیا تھا۔

"میں صرف یہی نہیں اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں اور کروں گا بھی۔" بہت غصے سے کہتے شاہان کی سانس اس کے رخسار سے ٹکرا رہی تھی۔

"اور تم کچھ نہیں کر سکتیں۔ پر کٹ دیے ہیں تمہارے۔ بے بس ہو تم۔ بالکل بے بس۔" ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے اپنے حصار میں لے لیا۔

☆ ☆ ☆

نم آنکھوں سے چھت کو دیکھتی وہ اپنی بے بسی پہ ماتم کناں تھی۔ اپنی بے بسی پہ اپنی ہار پہ افسردہ ریحا علی کی آنکھوں سے بہت سے آنسو ٹوٹ کر گرے تھے اس نے کروٹ بدلی تو نظر دائیں پہلو میں سوئے شاہان علی کے چہرے سے ٹکرائی۔ کیسی جیت رقم تھی اس کے مغرور نقوش سے۔ سچ پتھریلے چہرے پہ اس وقت اپنی اسی جیت کے نشے میں دھت وہ بہت بے خبر سا سو رہا تھا۔ تقدیر نے اسے اس پتھر دل انسان کے ہاتھوں مجبور کر دیا تھا۔ یہ پتھر دل انسان جس کے لیے صرف اس کی اپنی عزت، اپنی انا، اپنی خوشی، اپنی ضد ہی اہم تھی۔ دوسروں کی مرضی و خوشی ان کے احساسات و جذبات کچھ بھی اس کے لیے اہم نہیں تھا اور اپنی "میں" کے نشے میں چور یہ شخص اس کا نصیب بن گیا تھا۔

وہ تقدیر کی اس ستم ظریفی پر شکوہ کناں تھی۔ بند آنکھوں اور کالے سیاہ بکھرے بالوں والے شاہان علی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار سوچا تھا۔ کاش! وہ اس شخص کا کچھ بگاڑ سکتی۔ بہت تھک کر سوچتے وہ بستر سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

زینب آپی ان دونوں کا ناشتا کمرے میں ہی لے آئی تھیں۔ شاہان بہت مزے سے اوروٹ کرنا شتا کر رہا تھا جبکہ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے خاموش سی بیٹھی تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے پر اس وقت بے انتہا شگفتگی اور بہار پھیلی ہوئی تھی۔

"ناشتا کر لو نا ریحا!" آپی نے اسے پیار سے مخاطب کیا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے آپی۔"

"نہیں ریحا! تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔ کچھ کھا لو جان!" وہ بہت پیار سے اصرار کر رہی تھیں۔

"پلیز آپی! میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"نہیں جان! کھانے سے انکار نہیں کرتے ناشکری ہوتی ہے۔" زینب آپی بہت نرم مزاج کی تھیں اور بے تحاشا نرمی اس وقت ان کی آواز میں گھلی ہوئی تھی۔ تب ہی شاہان نے انہیں مزید اصرار سے روکا۔

"رہنے دیں آپی! بے چاری ریحا پہلے ہی صدمے سے دوچار ہے اور تنگ نہ کریں۔" مسکراتے لہجے میں وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ آنکھوں میں آنے والی بے ساختہ نمی اس نے سر جھکا کر چھپائی۔

"ذرا اس کے دل بے قرار کو سنبھلنے دیں۔ خود ہی کھالے گی۔" ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ آپی اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ اطلاع ملتے ہی بہت صبح ہی حویلی پہنچ گئے تھے اور اب وہ بڑے ابا کی اسٹڈی میں ان کی عدالت میں کھڑا تھا۔ "کیوں لے کر آئے ہو اسے یہاں اور اس طرح سے؟" انہوں نے سخت غصے سے پوچھا۔

"بیوی ہے وہ میری۔ میں اسے یہاں رکھوں یا چاند میں میری مرضی۔" سیاہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھسائے وہ بہت اطمینان سے کھڑا تھا۔

"اور جہاں تک اس طرح لانے کی بات ہے تو اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"مرضی؟" انہوں نے طنز سے دوہرایا۔ "اس کی مرضی بھی پتا کی تھی، جسے یوں زبردستی یہاں لائے ہو؟" ان کے طنز پر وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"شاہان علی کے لیے دوسروں کی نہیں، صرف اس کے اپنے دل کی مرضی اہم ہوتی ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ باہر نکل گیا۔

"یہ آپ کی دی ہوئی شہہ ہے، جو وہ اتنا خود سر ہو گیا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر خاموش بیٹھے بڑے ابا کو مخاطب کیا۔

"نہیں احسان علی! یہ میری شہہ نہیں۔ تمہارا اپنا ماضی ہے، جو تمہارے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔" بڑے ابا کی بات پر وہ حیران رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ اندر داخل ہوتے ہی اس کی سمت چلا آیا۔

"ہیلو۔" اس نے موبائل اس کی سمت بڑھایا تو وہ جو اپنے سامنے پڑے پھیلے لینگے اور دوسرے سامان کو بے توجہی کے ساتھ دیکھ رہی تھی، چونک گئی۔

"اپنے گھر بات کر لو۔"

وہ موبائل اس کی طرف بڑھا کر باہر نکل گیا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے نمبا کا نمبر ملایا۔ نمبا اس کی آواز سنتے ہی رو پڑی۔ خود اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

"کیسی ہو؟" نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی، جب نمبا نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے بمشکل خود کو سنبھالا "مما، پاپا کیسے ہیں؟"

"مما بہت ٹینس ہیں۔ ریحا! رو رو کر انہوں نے اپنے حال برا کر لیا ہے۔ مجھ سے تو انہیں سنبھالا بھی نہیں جا رہا۔" نمبا نے بتایا۔ اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔

"اور پاپا؟" آنسو قطرہ قطرہ پھر گرنے لگے۔

"پاپا؟" نمبا ایک لمحہ خاموش ہوئی۔ "یو نو ریحا! شاہان نے جو کچھ کیا ہے، اس میں پاپا کی رضا شامل ہے۔" نمبا کے دکھ بھرے انداز سے کہنے پر اسے کرنٹ لگا تھا۔

"واٹ؟ کیا کہہ رہی ہو نمبا! تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟"

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ریحا! اگر میں کسی اور سے سنتی۔ مگر میں نے خود اپنے کانوں سے پاپا کو شاہان سے بات کرتے سنا ہے۔" نمبا کی بات پر وہ اندر سے ڈھے گئی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے نمبا! پاپا ایسا کیوں کریں گے؟" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تمہیں یقین نہیں ہے ریحا! تو آج غالباً تمہارا ولیمہ ہے نا۔"

"ہاں! مگر۔"

"تو پاپا آئیں گے۔ تم خود پوچھ لینا ان سے۔"

"پاپا یہاں آئیں گے؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"ہاں! وہ شاہان سے یہی کہہ رہے تھے۔" نمبا کی بات پر وہ بالکل چپ رہ گئی تھی۔

"ریحا!" نمبا نے اسے پکارا۔ وہ اب اسے حوصلہ دینا چاہ رہی تھی۔ "کچھ بھی ہو، اس شخص کو کوئی بھی لمٹ کراس مت کرنے دینا۔" اس کی بات پر وہ تلخی سے مسکرائی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے نمبا۔ جو شخص مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں حویلی لا سکتا ہے، وہ میرے ساتھ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اس شخص کی کوئی لمٹ نہیں ہے نمبا۔" بہت دکھ سے کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس نے۔ کاش ریحا! میں

تمہارے لیے کچھ کر سکتی۔"

"میں جہاں کھڑی ہوں نا نہیں پاپا! وہ یہاں پر میں خود اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتی تو کوئی دوسرا بھلا کیا کر سکتا ہے۔ تم بس مما کا بہت سا خیال رکھنا اور ہاں! کوشش کرنا کہ انہیں پتا نہ چلے کہ شاہان کے اس عمل میں پاپا کی رضا بھی شامل ہے ورنہ ان کا اعتبار ٹوٹ جائے گا۔"

☼ ☼ ☼

آج دن میں اس کا ولیمہ تھا۔ بہت مختصر نوٹس پر بھی ولیمہ کے بہت اعلا انتظامات کیے گئے تھے۔ اندر باہر پھیلی چہل پہل سے بے نیاز وہ اس وقت بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھی تھی۔ سی گرین کلر کے لہنگے میں ملبوس رمشا کو بیوٹیشن تیار کر کے جاچکی تھی اور اس لہنگے اور دیدہ زیب مہنگے کے ساتھ زیورات اور دوسرے لوازمات سے سجی وہ آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی اور اس کے دلکش حسن کو چار چاند سوگواریت نے لگائے تھے۔ سوگواریت میں لپٹا حسن۔ اتنا دلکش منظر تھا کہ ایک پل اندر آتا شاہان علی بھی ٹھٹک کر رہ گیا تھا، دوسرے ہی لمحے وہ اندر بڑھا تھا اور اس کے پیچھے آتے سرفراز علی بھی۔ وہ کمرے کے وسط میں آ کے کھنکارا اس نے بے اختیار سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"پاپا!" وہ اک لمحے میں اٹھ کھڑی ہوئی اور دوڑ کر ان کے گلے آ لگی۔ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اس نے اپنا سر ان کے سینے سے لگایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں تھا جو یوں... آپ بس ایک بار کہتے پاپا! تو میں ہنسی خوشی اس شخص کے ساتھ رخصت ہو جاتی۔"

شاہان انہیں اکیلا چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔ تب بہت سارو چکنے کے بعد اس کے لبوں سے شکوہ بر آمد ہوا تھا۔

"تمہاری ماں بھی نہیں مانتی بیٹا۔" انہوں نے بہت پر ملال سے انداز میں کہا۔ "میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا بیٹا۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئے تھے۔

"بعض فیصلے بڑے اذیت ناک ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے اپنے ہوتے ہیں۔ اس لیے خوشی سے یا ناخوشی سے ہمیں انہیں نبھانا پڑتا ہے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں اس کے تمام رخ ہی نہیں دیکھنے چاہئیں۔ بلکہ ہمیں اس کے ان اثرات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے جو ہمارے اس فیصلے کے نتیجے میں نہ صرف ہماری۔ بلکہ ہم سے وابستہ بہت سارے دوسروں لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور فیصلہ کرتے وقت صرف اس وقت اس لمحے کو نہیں' آنے والے وقت کو بھی دیکھنا چاہیے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارا اٹھایا ہوا کوئی قدم یا کیا ہوا کوئی فیصلہ صرف آج نہیں آج سے پانچ دس سال بعد یہ اثرات سامنے لائے گا میں نے ان ساری چیزوں کو نظر انداز کیا اور بہت غلط کیا اپنے ساتھ ہی نہیں تمہارے ساتھ بھی۔ بیٹا! زندگی بعض دفعہ ہمیں ایسے مجبور کرتی ہے کہ ہم چاہنے کے باوجود وہ سب کرتے ہیں جو یہ کروانا چاہتی ہے۔ میں نے بھی بہت مشکل میں ایسا کیا۔ تمہیں معلوم ہے بیٹا! میں نے ایسا کیوں کیا۔؟ تمہاری پھپھو کی وجہ سے۔"

اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"پھپھو کی وجہ سے۔؟"

"ہاں!" انہوں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"اس کی بے رنگ زندگی نے مجھ سے ایسا کروایا۔ اس کی اداسی اس کا اکیلا پن مجھ سے برداشت نہیں ہوتا بیٹا! میں کتنی اذیت محسوس کرتا ہوں۔ جب جب اس کی زندگی کے متعلق سوچتا ہوں۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ یونو بیٹا! احسان نے آج تک اسے طلاق نہیں دی۔ آج بھی اسے اپنے نام کا پابند کر رکھا ہے۔ اور شاہان بھی اسی کا بیٹا ہے۔ انا اور ضد میں اس سے بھی چار ہاتھ آگے۔ وہ تمہیں بھی آزاد نہیں کرتا۔ مجھے اس بات کا علم تھا اور اگر ہم عدالت کے ذریعے طلاق لے بھی لیتے تو پھر بھی میں تمہاری زندگی برباد ہونے سے روک نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں بیوہ طلاق یافتہ کی بھی دوسری شادی نہیں کی جاتی۔ یہ میرے خاندان کی روایت ہے اور میں اسے توڑ نہیں سکتا تھا بیٹا! اسی لیے تمہاری زندگی کو بے رنگ ہونے سے بچانے کے لیے مجھے یہ سخت اور مشکل فیصلہ کرنا پڑا۔"

وہ تھک کر خاموش ہوئے تھے۔ تب اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"اور اب آپ کو لگتا ہے پاپا! کہ میری زندگی اذیت ناک نہیں ہوگی؟"

"مجھے پتا ہے بیٹا! یوں ایک دم سے یہ سب قبول کرنا تمہارے لیے مشکل ہے۔ مگر رفتہ رفتہ تم اپنی لائف میں سیٹ ہو جاؤ گی۔ اور جہاں تک بات ہے شاہان کی تو میں مانتا ہوں' وہ کچھ سخت مزاج ہے مگر مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔ تم اسے اپنی توجہ سے بدل لوگی اسے اپنی پروا سے نرم کر لوگی۔"

"وہ پتھر ہے پاپا! اور پتھر کب نرم ہوتے ہیں۔ انہیں نرم کرنے کی کوشش کرو تو یا تو وہ ٹوٹ جاتے ہیں یا توڑ دیتے ہیں۔" اپنی آنکھوں کی گیلی سطح خشک کرتے ہوئے بولی تو سرفراز علی اپنی آنکھوں کی نمی چھپا نہیں پائے تھے۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کا فنکشن ختم ہوتے ہی آپی زینب اور شاہان کی چچازاد ماہین اسے کمرے میں لے آئیں۔ مگر یہ وہ کمرا نہیں تھا جس میں وہ کل سے تھی یہ تو کوئی دوسرا کمرا تھا وال ٹو وال بچھا آف وائٹ اور گولڈن قالین جہازی سائز بیڈ جس پر آف وائٹ بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ بہت بڑی سی گلاس ونڈو کے آگے پردے بھی اسی رنگ کے تھے۔ فل اسکرین ٹی وی... کمرے کے ایک کونے میں روم ریفریجریٹر بہت اسٹائلش آف وائٹ صوفہ اور اس کے آگے رکھی شفاف شیشے کی میز بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرے ٹیبل لیمپ اور کونے میں رکھا پیارا سا گلدان کمرے کی خوب صورتی کو چار چاند لگا رہے تھے۔ جبکہ بیڈ کی سائیڈ پہ... کرسٹل اسٹینڈ پر رکھی شاہان علی کی بڑی سی تصویر کمرے کی شان تھی

وہ دونوں اسے کمرے میں چھوڑ کر جاچکی تھیں۔ کچھ دیر یوں ہی کھڑے رہنے کے بعد ڈریسنگ روم میں لباس تبدیل کرنے کے لیے چلی گئی۔ لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکلی تو وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔ وجہ اس کی کمرے میں موجودگی نہیں۔ بلکہ اس کے ہاتھ میں تھما گلاس اور سامنے میز پر دھری بوتل تھی۔

تو شاہان علی یہ تھی تمہاری اصلیت' تمہارا اصل چہرہ۔ ٹھیک کہا تھا اس نے نیہا نے۔ اس شخص کی واقعی کوئی حد نہیں تھی۔

اس نے تنفر بھری نگاہ اس پر ڈالی' جو بے نیاز بنا بیٹھا تھا اور خاموشی سے واش روم میں گھس گئی۔ وہ واپس باہر آئی تو وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ خود بھی خاموشی سے بستر پر آ بیٹھی۔ تب ہی شاہان علی نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کھینچ لیا۔ وہ فوراً "پرے ہوئی تھی۔ وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"یہ مت سمجھنا شاہان علی تم پہ مرتا ہے۔ تمہارے جیسی ہزاروں نہیں، لاکھوں شاہان علی کے قدموں میں نچھاور ہونے کو بے تاب ہیں۔ وہ تو تم میری ضد ہو اور بس... تمہیں اپنے سامنے بے بس دیکھ کر جو سکون میرے رگ و پے میں اترتا ہے اس کا نعم البدل کہیں نہیں۔"

اسے اپنے پہلو میں گراتے شاہان علی نے اس کی اوقات یاد دلائی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے سے جاچکا تھا۔ وہ فریش ہو کر نکلی تو آپی منتظر تھیں۔

"آؤ! باہر ہی ناشتا کر لینا۔" وہ اسے لیے باہر آگئیں۔ شاہان اور بڑے ابا تو صبح ہی نکل گئے تھے۔ انہوں نے خود ہی بتایا تھا۔ وہاں بہت خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آپی اپنے ساتھ ملازمہ کو لیے کچن سے باہر آئی تھیں۔ انہوں نے ملازمہ کو اشارہ کیا تو اس نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ آپی اس کے

قریب ہی آبیٹھیں۔
چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے اس نے ان سے سب کے بارے میں پوچھا تھا۔
"سب لوگ یہاں تھوڑی رہتے ہیں۔ پہلے سب اکٹھے ہی رہتے تھے۔ مگر پھر بچے بڑے ہوئے تو بڑے ابا نے سب کے الگ پورشن بنوادیے تھے۔ اس پورشن میں تو میں اور بڑے ابا ہوتے ہیں۔ یا شاہان یا چھوٹے چاچو آجائیں تو وہ یہیں رہتے ہیں۔ ساتھ والا پورشن تایا ابا کا ہے مگر وہ یہاں نہیں ہوتے اسلام آباد ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی جاب بھی وہیں ہے۔ ساہین اور سفیان بھی وہیں پڑھتے ہیں۔ وہ لوگ شاہان کے بلانے پر آئے ہوئے تھے۔ آج واپس چلے جائیں گے۔ سامنے والے دونوں پورشنز میں سے ایک تو احسان چاچو کا ہے جو کہ بند پڑا ہوا ہے دوسرا فیضان چاچو کا ہے۔ وہ یہیں رہتے ہیں۔ بچے البتہ تایا ابا کے گھر میں ہوتے ہیں۔"
"اور آپ یہاں بڑے ابا کے ساتھ ہوتی ہیں۔ آپ کی شادی وغیرہ نہیں ہوئی کیا؟" وہ بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھی تھی۔ وہ اداسی سے مسکرائیں۔
"ہوئی تھی مگر شادی کے چوتھے سال ہی حسام اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ تب میں یہاں آگئی تھی۔ یہ پورشن میرے اماں ابا کا تھا۔ ان دونوں کے انتقال کے بعد میں اور بڑے ابا یہیں رہتے ہیں۔"
"اوہ! آئم سوری آپی!" اسے حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔
"اٹس او کے؟" وہ اپنی نم آنکھیں صاف کرتی مسکرائیں۔
لنچ ٹائم تک بڑے ابا بھی واپس آگئے تھے۔
"شاہان نہیں آیا؟" آپی کے پوچھنے پر انہوں نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔
"نہیں! اسے ذرا آگے کام تھا۔ آجائے گا دو تین گھنٹوں تک۔"
وہ دو تین گھنٹوں تک تو نہیں "تقریباً" مغرب کے قریب آیا تھا۔
"آپی!" اس نے اندر آتے ہی زینب کو آواز لگائی "جلدی سے کھانا لگوائیں۔ بے حد بھوک لگی ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا۔"
وہ سر ہلا کر کچن کی جانب آگئیں جبکہ ریحا خاموشی سے صوفے پر بیٹھی تھی وہ فریش ہوکے آگیا تھا۔
"تایا ابا چلے گئے؟" کھانا کھاتے ہوئے اس نے زینب سے پوچھا۔
"ہاں عصر کو ہی چلے گئے تھے۔" پھر کھانا کھاتے ہی وہ اپنے بیڈروم میں چلا گیا۔ وہ کافی دیر تک زینب آپی کے ساتھ بیٹھی رہی۔ ابھی اس کا دل بیڈروم میں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر زینب آپی کو صبح جلدی اٹھنا ہوتا تھا۔ وہ معذرت کرکے اٹھ گئیں تو ناچار اسے بھی اپنے کمرے میں جانا پڑا۔
وہ اندر داخل ہوئی تو وہ کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ سیدھی چلتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ جب واپس آئی تو وہ نیم دراز سا موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔
"زہے نصیب۔ جو آج آپ نے ہمیں یاد کرلیا۔" اس کی آواز بے حد فریش تھی۔
"ہم آپ کو بھولے ہی کب تھے جو یاد کرنے کی نوبت آتی۔ اور ویسے بھی کیا آپ کو معلوم نہیں آپ بھلائے جانے والوں کے قبیلے سے تعلق نہیں رکھتے۔" شاہان نے اسپیکر آن کیا ہوا تھا۔ اس لیے ریحا کو دوسری طرف کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ کوئی لڑکی تھی۔ یہ بات سن کر وہ مسکرایا۔
"تو پھر اتنے دن کی غفلت کیوں؟"
"ہم نے سوچا آپ مصروف ہوں گے۔ آپ کو ڈسٹرب کیا کرنا۔ وہ تو مبارک باد دینی تھی۔"
"تو تمہیں معلوم ہوگیا؟" اس کے سوال پر دوسری جانب ہنسی کا جلترنگ بجا تھا۔ جو پاس ہی خاموشی سے کروٹ کے بل لیٹی ریحا علی کے کانوں تک بھی پہنچا تھا۔
"کیا کیا جائے صاحب 'جو دل کے قریب ہوں ان کی خیر خبر تو رکھنی پڑتی ہے نا۔" روحینہ کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ اترا۔
"ارے! آپ کو کیا لگتا ہے ہم آپ سے انجان رہ سکتے ہیں۔" وہ بھی دل لگی پر اتر آیا تھا۔

"تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا"

اس نے قہقہہ لگایا۔
"تو اس بار بھی بازی آپ نے مار ہی لی؟" اس نے معنی خیزی سے دریافت کیا۔

"ہم سے جیتا ہے نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کے کھالیتے ہیں ماتیں اکثر"

ایک گہری نگاہ ریحا پر ڈال کر اس نے شعر پڑھا تو وہ سلگ اٹھی۔ اسے معلوم تھا یہ معنی خیز گفتگو اسی کے متعلق تھی۔
"یکسچ" دوسری طرف سے متاثر ہوتے ہوئے اعتراف کیا گیا تھا۔ "ویسے مزاج تو ٹھیک ہیں نا؟" روحینہ نے تجسس سے ریحا کے رویے کے متعلق پوچھا تھا۔
"نہ بھی ہوں تو ہمیں کرنا آتے ہیں جناب!" مسکرا کر کہتا وہ ریحا کو اندر تک جھلسا گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔
وہ بہت محظوظ ہوتے انداز میں مسکرایا تھا۔
"ذرا نرمی سے۔ نازک مزاج لوگوں سے نرم انداز اپنانا چاہیے۔" روحینہ نے نرمی سے نصیحت کی۔
"کیا پروا؟" انجان بنتے اس نے دریافت کیا تھا۔
"کیا کہیے صاحب! آپ سے وابستہ ہر شے ہمارے لیے اہم ہے اور ہم دل سے اس کی قدر اور پروا کرتے ہیں۔"
"چلیں! آپ کی مانتے ہوئے ہم ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گے؟" معصوم سے انداز میں کہا گیا وہ ہنسی سے ہنسی۔
"جانیے صاحب! ہمیں ہم جانتے نہیں۔ من مانی آپ کی عادت نہیں فطرت ہے۔"
"کیا کیا جائے کہ آپ دور ہو کر بھی مزاج آشنا ہیں اور جو پاس ہیں وہ انجان ہی نہیں 'بے نیاز' بھی ہیں ہم سے۔" "بہت بے نیاز" لہجے کے کسی کونے سے ہلکا سا ملال پنہاں تھا۔

☼ ☼ ☼

دوسرے روز وہ واپس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔
"اتنے جلدی جارہے ہو؟" زینب آپی کے پوچھنے پر وہ مسکرایا۔
"جانا تو ہے آپی! کچھ کمانے کی بھی فکر کرنی ہے نا۔ کمائیں گے نہیں تو کھائیں گے کہاں سے؟" اس کے بے چارگی سے کہنے پر زینب آپی نے اسے گھورا۔
"ریحا کو بھی ساتھ لے جاؤ نا۔" ان کے کہنے پر اس کی پیشانی پر ہلکی سے سلوٹ ابھری۔
"جب وقت آئے گا تو ضرور۔" اس کے کہنے پر انہوں نے گہری سانس لی تھی۔
"اوکے کوشش کرنا۔ جلدی لے جاؤ۔"

☼ ☼ ☼

گہری ہوتی شام میں وہ لان کے آگے بنی تین سیڑھیوں میں سے سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چند روز ہوگئے تھے اسے یہاں اس حویلی میں مقید ہوئے اور نجانے کب تک رہنا تھا۔
"شاید تمام عمر۔" اس نے بے اختیار جھرجھری لی اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو وہ آج حورعین کی شادی میں شرکت کے بعد اپنے گھر واپس آتی اپنی فیملی کے ساتھ۔ مما اور نیہا کو وہاں شادی کے واقعات سناتی۔ وہ سب انجوائے کرتے پاپا کے ساتھ باہر جاکر آئس کریم یا کافی انجوائے کرتے۔ کیا زندگی ایسی ہی ہوتی جیسے اب ہے۔ یقیناً "نہیں۔"
"زندگی ہمارے ساتھ بعض دفعہ کتنی بڑی ناانصافی کرجاتی ہے نا۔" اس نے گہری پڑتی شام سے پوچھا تھا۔
"پاپا۔ آپ نے مجھے کیسی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ کیا زندگی یوں بھی گزر سکتی ہے؟" اس نے تھک کر سوچا۔

☆ ☆ ☆

شاہان کو گئے تقریباً" بیس دن ہو چکے تھے اور اس نے ایک دو بار بڑے ابا کو کال کر کے خیر خیریت معلوم کی تھی اور بس۔ ریحا پورا دن بولائی بولائی پھرتی تھی۔ وہ گھومنے پھرنے والی ایک زندہ دل لڑکی تھی۔ جسے شاہان علی نے یہاں اس پنجرے میں قید کر دیا تھا اور اب خود بھی بھولے بیٹھا تھا۔ وہ ابھی تک اس حویلی کے طرز زندگی کی عادی نہیں ہو سکی تھی۔

مما اور نیہا سے اس کی تقریباً" روز ہی بات ہوتی تھی۔ وہ اسے وہاں سے نکل آنے کے مشورے دیتی تھیں۔ وہ بس خاموشی سے سنے جاتی تھی مگر ان مشوروں پر عمل کرنا اتنا آسان کہاں تھا۔ پاپا نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس رشتے کو نبھائے گی اور اس نے ان سے وعدہ کر لیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی۔

☆ ☆ ☆

ریحا اور زینب دونوں ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی آن کیے بیٹھی تھیں۔ کسی ٹی وی چینل کی برتھ ڈے سلیبریٹ کی جا رہی تھی۔ خوب صورتی سے سجائے گئے سیٹ پر بیٹھے فنکار، گلوکار، فیشن ڈیزائنر اور ان کے ساتھ بیٹھی میزبان خاتون' جو اس وقت بے حد گہرے گلے اور بغیر آستینوں کی قمیص کے ساتھ گھٹنوں سے ذرا نیچے تنگ سا پاجامہ پہنے ہوئے تھی۔ اس کا لباس خاصا کھلا ڈلا اور بے ہودہ تھا اور ساتھ بیٹھے مردوں کی نظروں میں سے جھلکتی حرص و ہوس۔

"توبہ!" آپی زینب نے جھرجھری لی۔ "کیسی عورت ہے۔ ہم پر تو کوئی غیر ایک نگاہ ڈال لے تو اتنا برا اور عجیب محسوس ہوتا ہے اور یہ اتنے مردوں کی خود پر پڑنے والی گندی غلیظ نگاہوں کے باوجود کیسی اکڑ کر بیٹھی ہے۔"

ان کی بات پر ریحا نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر خود کو جینز کے ساتھ سیاہ قمیص پہنے' گلے سے لپٹا چھوٹا سا اسکارف۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی ایک منظر ور آیا تھا۔ بے انتہا رش' ہر طرح کے موڈ' ہر طرح کے لوگ اور ان لوگوں کے بیچ چلتی وہ گلابی سلیولیس قمیص اور تنگ سا پاجامہ پہنے لڑکی۔ جس پر نہ جانے کتنے لوگوں کی گندی غلیظ نگاہیں پڑ رہی ہوں گی۔ جیسے ابھی آپی نے ٹی وی اسکرین پر نظر آتی لڑکی کے متعلق نفرت و حقارت سے بات کی تھی۔ بالکل ایسے ہی بازار میں چلتی ریحا کے متعلق کتنے لوگوں نے اور کس طرح سے بات کی ہو گی۔ وہاں کھڑے لڑکوں نے' مردوں نے' پتا نہیں کس طرح اسے ڈسکس کیا ہو گا۔ اس کے ظاہری حلیے کی وجہ سے کتنے لوگوں نے اس کے کردار کو بھی غلط سمجھا ہو گا۔ اسے۔ اس کے ماں باپ' اس کے خاندان کو گھٹیا سمجھا ہو گا۔ اگر کسی انسان کے ظاہری حلیے سے اس کے خاندان' اس کے کردار کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ تو اب تک اس کے متعلق کیسے اندازے لگائے جاتے ہوں گے۔

"عورت کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس پر اٹھنے والی ہر نگاہ احترام اور عزت میں لپٹی ہوئی ہو۔" زینب آپی کے کہنے پر وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اسے گاؤں سے آئے تقریباً" مہینہ ہو گیا تھا اور ابھی بھی اس کا حویلی جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ تیار ہو کے نیچے آیا تو احسان صاحب ناشتے کی میز پر اس کے منتظر تھے۔

"گاؤں کب جا رہے ہو؟" ان کے استفسار پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"فی الحال کوئی پروگرام نہیں۔ کیوں؟ آپ جا رہے ہیں؟" جواب دیتے ساتھ ہی اس نے پوچھا تھا۔

"میرا نہیں' تمہارا جانا ضروری ہے۔ جسے اپنا بنا کے وہاں چھوڑ آئے ہو۔ کچھ اس کی بھی خبر لو۔ بیوی ہے وہ تمہاری۔ اس کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری

ہے۔" ان کی بات سن کر وہ ہنس پڑا۔

"ایسی باتیں آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگتیں پاپا! سواس اور میرا ٹائم ضائع مت کیجیے۔"

وہ ہنس کر کہتا چلا گیا تھا اور وہ ششدر سے بیٹھے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے چند جوڑے جو اس کے پاس تھے' بکھرائے بیٹھی تھی۔ جینز شرٹس اور شادی اٹینڈ کرنے کے لیے جوڑے جو بنوائے تھے سب ہی کوٹی آستینوں اور بغیر آستینوں کے تھے اور وہ جو اب تک اسی طرح کے لباس بہت خوشی اور پسند سے پہنتی تھی۔ اب یہی لباس پہننے کا اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ حیرت کی بات تھی۔ مگر ہوتا ہے نا! بعض دفعہ کوئی ایک لمحہ' کوئی ایک بات' کوئی ایک واقعہ انسان کی سوچ کی تبدیلی کی وجہ بن جاتا ہے۔ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ وہی کپڑے جو وہ اب تک پہنتی آئی تھی' اب وہی بے ہودہ اور فحش لگ رہے تھے۔

"ارے ریحا! کیا کر رہی ہو؟" زینب نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ اس نے جواباً" اپنی مشکل بتائی تھی۔

"تو پرابلم کیا ہے۔ ابھی شاہان کو کال کرتے ہیں کہ اپنی بیگم کے لیے زبردست سی شاپنگ کر کے لاؤ۔" زینب نے چٹکی بجائی۔

"نہیں پلیز۔ اس سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے فوراً" سے پیشتر منع کیا تھا۔

"ارے! ضرورت کیوں نہیں؟ مسز ہو تم اس کی ذمہ داری ہو۔" اس کے منع کرنے کے باوجود زینب نے شاہان کو کال ملائی تھی۔ وہ زینب کو سیل پر مصروف چھوڑ کر باہر آ گئی تھی۔

سامنے ہی شاہان کے بڑے ابا بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے سیاہ چادر جو شاہان نے پہلے دن اسے دی تھی سلیقے سے اوڑھ رکھی تھی۔ مزید درست کرتے انہیں سلام کیا تھا۔ وہ شفقت سے مسکراتے جواب میں سر ہلانے لگے تھے۔

"ہاں بھئی! وہ نالائق کب تک آئے گا؟" انہوں نے شاہان کے متعلق پوچھا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ جواباً" کچھ کہتی زینب چلی آئی تھیں۔

"ریحا! یہ لو شاہان تمہارا ناپ وغیرہ پوچھنا چاہ رہا ہے۔" زینب نے زبردستی موبائل اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ بڑے ابا کی وجہ سے اس نے سیل کان سے لگا لیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ سامنے دیوار پر دے مارے۔

"زینب آپی بھی نا۔" بہت کوفت سے اس نے سوچا تھا۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟" بڑے ابا اور زینب آپی کی وجہ سے اسے ناچار کہنا پڑا۔

"اگر میں کہوں کہ تمہاری تمام تر بددعاؤں اور کوسنوں کے باوجود بالکل ٹھیک اور اچھا تو۔" بھاری آواز میں کہتا وہ اسے سلگا گیا۔

"تو میں کہوں گی کہ آپ واقعی بہت سخت جان ہیں۔ بالکل اپنے سخت دل کی طرح۔" سائیڈ پر اگر اس نے بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

"تم کیسی ہو؟"

"اگر میں کہوں' آپ کے تمام مظالم کے باوجود زندہ اور بہت خوش۔ تو۔" اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"میں تو خود یہی چاہتا ہوں کہ تم زندہ اور خوش رہو۔" مسکراتے لہجے میں اس نے کہا تو لب بھینچ گئے۔ پھر اس نے اس سے ناپ وغیرہ پوچھا تھا۔

"میں تمہارے لیے شاپنگ کر لوں گا۔ مگر کیا تم اسے قبول کر لو گی؟" اس کے لہجے کے طنز کو بہت اچھی طرح محسوس کیا تھا اس نے۔

"کیا کروں اس کے سوائے کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے۔" تپ کر کہتے اس نے فون کر دیا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن ہی وہ بے تحاشا شاپنگ بیگز کے ساتھ حویلی آ پہنچا۔

"اتنے دن کیوں لگائے شاہان۔ پتا ہے کتنا مس کیا ہم نے تمہیں۔" آپی زینب کی بات پر اس نے ایک گہری نظر سپاٹ سا چہرہ لیے ریحانہ ڈالی۔

"واقعی؟" گہری نظر سے اسے دیکھتا وہ آپی سے پوچھ رہا تھا۔

"بالکل۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے آپی! آپ کے بھائی کو ہر جگہ ہی مس کیا جاتا ہے۔" گاہے بگاہے اس پر نظر ڈالتا وہ آپی سے بول رہا تھا۔

"کتنا خوش فہم بندہ ہے تو بہ!" دل ہی دل میں اس نے کوفت سے کہا۔

☆ ☆ ☆

"تو کرلی تم نے اپنی مرضی؟ دکھادی ہٹ دھرمی؟ تم نے ثابت کردیا شاہان! کہ تم احسان علی کے بیٹے ہو۔" فون سے آتی آواز میں بے انتہا غصہ تھا۔

وہ اپنی ماں کی بات پر تلخی سے مسکرایا۔

"نہیں ڈیر مما! میں نے ثابت کردیا کہ میں حمیرا علی اور احسان علی کی اولاد ہوں۔ ان ہی کی طرح ضدی' انا پرست اور صرف اپنے لیے سوچنے والا۔ آپ ہر مرتبہ مجھے ہی کہتی ہیں نا کہ میں ضدی ہوں۔ انا پرست ہوں۔ مجھے جھکنا نہیں آتا۔ میں اپنی ذات سے ہٹ کر بھی کسی دوسرے کے متعلق نہیں سوچ سکتا؟ تو مما جان یہ سب کچھ تو میں نے اپنے والدین سے سیکھا ہے۔ اپنے باپ سے ضدی ہے میں نے۔ تو اپنی ماں سے انا بھی لی ہے ——— صرف اپنے متعلق سوچنا بھی میں نے آپ سے سیکھا ہے۔ اپنی ذات کے متعلق سوچتے آپ نے ایک بار بھی اس آٹھ سال کے بچے کے متعلق سوچا تھا' جو کوئی اور نہیں ——— آپ کا اپنا بیٹا تھا۔ آپ کا اپنا خون۔ کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آپ وہاں سے نکل آئی تھیں۔ اپنی انا' اپنی ضد کے باعث ایک بار بھی آپ نے نہیں سوچا' آپ کا بیٹا کس کے سہارے رہے گا۔ اس کا خیال کون رکھے گا۔ اس کے کھانے پینے اس کی اسکولنگ' اس کی تربیت' ان سب چیزوں کی فکر کون کرے گا۔ وہ آٹھ سال کا بچہ جو اپنی ماں سے لپٹ کر سوتا ہے' اپنی ماں کے جانے کے بعد رات کو ڈر لگنے پر کس کے ساتھ لپٹ کر سوئے گا؟ اسے جب چوٹ لگے گی تو روتا ہوا کس کے پاس جائے گا۔ جس ضدی شخص کو آپ نے چھوڑا تھا تو اپنے بیٹے کو اس شخص کے پاس کیوں چھوڑ دیا۔ ایک پل بھی یہ نہیں سوچا کہ وہ ضدی انسان آپ کے بیٹے کی کیسی تربیت کرے گا۔ مگر نہیں آپ کو صرف اپنی ذات سے غرض تھی۔ یہ خود غرضی میں نے اپنی ماں کے عمل سے ہی سیکھی تھی۔ آپ کہتی ہیں میں سخت دل ہوں۔ کیا کبھی آپ نے سوچا' مجھے ایسا کس نے بنایا؟"

بہت ٹوٹے ہوئے انداز میں کہتا وہ فون بند کرچکا تھا۔ باہر کھڑی ریحانہ بے پاؤں واپس مڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو مدہوش سا بیڈ پر سویا ہوا تھا۔ حرام مشروب پینا اس کی عادت تھی یا نہیں' مگر آج اس نے اپنے اندر پھیلے غم کو گہرا کرلیا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی اس کے قریب آکھڑی ہوئی۔ بے خبری سے سوئے شاہان کی آنکھیں بند تھی۔ اس کے سیاہ بال اس کے ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔

اس کے چہرے پر ہر وقت پھیلی مغروریت اور سختی اس وقت مفقود تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا دلکش چہرہ اور بھی پیارا لگ رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ آج اس سے وہ شاہان علی کے لیے اپنے دل میں نفرت نہیں' کچھ اور محسوس کررہی تھی۔ ترحم' ہمدردی۔ پتا نہیں کیا۔ آج وہ اس کے اندر چھپے ایک دوسرے شخص سے انجانے میں ہی آگاہ ہوئی تھی اور اس آگاہی نے اسے عجیب سے محسوسات سے دوچار کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ بالکل نارمل سا اٹھا تھا اور ناشتا کرتے ہی واپسی کے لیے پر تول رہا تھا۔

"کچھ دن تو رہتے نا یار! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔"

بڑے ابا کے اصرار پر وہ انہیں اپنی مجبوری بتانے لگا انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ریحانہ نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ بڑے ابا کے ساتھ بیٹھا وہ وہی مغرور سا شاہان تھا۔

☆ ☆ ☆

رات سے لے کر اب تک وہ یوں ہی ایک زاویے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ عجیب سے انداز میں۔ کسی نے ان کی پوری ہستی کو ہلا دیا تھا۔ کون؟ ان کا اپنا بیٹا۔ اپنا خون۔ جسے انہوں نے ہمیشہ احسان علی کا بیٹا جانا۔ اپنی کوکھ سے جنم دینے والے بیٹے کو انہوں نے صرف احسان علی کا خون جانا تھا۔ وہ ہمیشہ کہتی تھیں۔ وہ احسان علی کا خون ہے۔ اسی کی ضد' اسی کی انا لے کر وہ اس دنیا میں آیا ہے۔ سو جب احسان علی کو چھوڑا تو اس بیٹے کو بھی چھوڑ دیا۔ جو ان کا اپنا سگا بیٹا تھا۔ انہیں ہمیشہ لگتا تھا حسن کے ساتھ ظلم ہوا' زیادتی ہوئی۔ احسان علی نے حمیرا علی کے ساتھ زیادتی کی' ظلم کیا' پر آج انہیں لگ رہا تھا' زیادتی' ظلم اور ناانصافی تو احسان علی اور حمیرا علی نے کی اپنے بیٹے شاہان علی کے ساتھ۔ جس کے چند الفاظ نے ان سے ان کی ذات کا زعم چھین لیا تھا۔ وہ پورے قد سے ڈھے گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

حمیرا اپنے ماں' باپ کی سب سے آخری اولاد تھیں۔ ان سے پہلے ان کے دو بڑے بھائی تھے۔ سرفراز اور شہزاد۔ حمیرا شروع سے ہی اپنے ماں' باپ کے ساتھ بھائیوں کی بھی لاڈلی تھیں اور اسی لاڈ پیار کے باعث وہ کچھ لاپرواسی تھیں۔ ماں' باپ کی شفقت کے سائے تلے پلتے کب بچپن چھوٹا اور جوانی نے انگلی تھامی۔ پتا بھی نہ چلا تھا۔ ہاں! مگر ان کی اٹھان غضب کی تھی۔ گوری رنگت' بڑی بڑی آنکھیں' ریشمی زلفیں اور لانبا قد۔ وہ بے حد حسین تھیں۔ تب ہی تو پہلی نظر پڑتے ہی احسان علی دل ہار گئے تھے۔

احسان اپنے چاروں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ کچھ لاڈلے اور لاپروا طبیعت کے ساتھ بلا کے ضدی بھی تھے جو ٹھان لیتے جس کر گزرتے تھے۔ نہ راہ میں آنے والی مشکلوں کی فکر' نہ نتیجہ کی پروا۔ جو من میں آتا۔ بس وہی کر گزرنے کی دھن لگ جاتی تھی۔ حمیرا علی کو دیکھنے کے بعد فوراً" ماں' باپ سے ضد کی کہ شادی کرنی ہے تو بس حمیرا سے۔

حمیرا' ابا کے گہرے دوست کی بیٹی تھی' جن کی شرافت اور انداز کے وہ خود بھی معترف تھے۔ خود حمیرا بھی انہیں بے حد پسند تھی۔ مگر احسان کی طبیعت کے پیش نظر وہ رشتہ مانگنے سے ہچکچا رہے تھے۔ مگر احسان اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ تب مجبوراً" ابا اور اماں جان کو اپنا دست سوال دراز کرنا پڑا تھا۔ حمیرا کے والد کو اپنے دوست سے زیادہ عزیز بھلا کون تھا۔ تب ہی جھٹ سے اپنی لاڈلی کا ہاتھ احسان علی کے ہاتھ میں دے دیا۔ بہت دھوم دھام سے شادی ہوئی اور شادی کے بعد احسان علی کو پتا چلا تھا کہ محبت کی راہ میں وہ تنہا نہیں' بلکہ حمیرا بھی ان کے ساتھ ہم سفر ہیں۔

زندگی کی خوشیوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا تھا۔ جب چاند سے چہرے والا شاہان علی نعمت بن کر ان کے گھر آنگن میں اترا تھا۔ کتنے دن تک خوشیاں منائی جاتی رہی۔

شاہان علی کی صورت خدا نے جو انہیں تحفہ دیا تھا۔ اسے پاکر حمیرا اللہ کے حضور شکر ادا کرتے نہ تھکتیں۔ اس کے ساتھ لگ کر اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے وہ اپنے ساتھ ساتھ احسان سے بھی کچھ غافل سی ہوگئیں۔

مسئلہ یہیں سے شروع ہوا تھا۔ ننھے شاہان کو سلا کر وہ خود ابھی تک جاگ رہی تھیں۔ احسان ابھی تک گھر واپس نہیں آئے تھے۔ پچھلے چند دنوں سے وہ لیٹ آنے لگے تھے۔ شاہان کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے خراب رہی تھی۔ سو وہ توجہ نہ دے سکیں۔ مگر آج۔

ساڑھے بارہ سے اوپر کا وقت ہورہا تھا۔ مگر احسان کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ پریشانی سے کبھی وال کلاک اور کبھی بند دروازے کو دیکھتی تھیں۔ ڈیڑھ بجے احسان

واپس آگئے۔ مگر بیگانہ ہوتے حواس اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ۔ حیرتوں کے کئی پہاڑ حمیرا پر ٹوٹے تھے۔

"احسان آپ نے نشہ کیا؟" حیرت سے وہ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ جو آتے ساتھ ہی بے سدھ پڑے تھے۔ دوسرے دن انہوں نے حمیرا سے معافی تلافی کی تھی۔

"ایم سوری یار! وہ دوستوں نے زبردستی پلا دی۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

ان کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ مگر وعدہ تو ہوتا ہی ٹوٹنے کے لیے ہے، سو بہت جلد ٹوٹ گیا اور پھر یہ ان کا معمول بن گیا۔ ہر دوسرے، تیسرے دن وہ ہوش و حواس گنوائے گھر لوٹتے۔ پہلے پہل تو معافی بھی مانگ لیتے۔ شرمندہ ہوتے۔ مگر اب اکڑنے لگے تھے۔

"ہاں کرتا ہوں نشہ، اکر لو جو تم نے کرنا ہے۔" حمیرا کے کچھ کہنے پر وہ بھتے سے اکھڑ گئے تھے۔ "بیوی ہو بیوی بن کر رہو تو بہتر ہے۔ ورنہ۔"

بہت غصے سے دھمکی دیتے وہ باہر نکل گئے۔ تب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

انہی دنوں جب شاہان پانچ سال کا تھا۔ حمیرا کو اپنی والدہ کی بیماری کی اطلاع ملی تھی۔ وہ فوراً" چلی آئیں۔ اماں نے بہت محبت سے ان سے اپنی آخری خواہش بیان کی تھی۔ ریحا کو اپنی بہو بنانے کی، جو چار سال کی تھی۔ تب سرفراز بھائی کے ساتھ حمیرا نے بھی اپنی ماں کی آخری خواہش پر سر جھکا دیا تھا۔ حویلی سے بہت دھوم دھام کے ساتھ وہ لوگ آئے تھے اور ریحا کا نکاح شاہان کے ساتھ کر دیا گیا۔ اس رشتے سے سب ہی بہت خوش تھے۔ خود حمیرا بھی۔ جن کی جان اپنی پیاری سی بھتیجی میں تھی۔ اماں کے انتقال کے بعد وہ تین ماہ تک ابا کے گھر رہی تھیں۔ اس عرصے میں احسان فقط چند بار ہی ان سے ملنے آئے تھے۔ تین ماہ بعد وہ سوگوار سی لوٹ آئیں۔

احسان کی ابھی تک وہیں روش تھی۔ بلکہ اب ان کی ضد ان کی ہٹ دھرمی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ گھر میں آئے روز جھگڑے ہونے لگے۔ احسان اگر ضدی تھے تو کم وہ بھی نہیں تھیں۔ ماں، باپ نے بہت لاڈ پیار سے پرورش کی تھی۔ کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے نہ چھوا تھا تو اب وہ احسان کی جلی کٹی کیسے سن لیتیں یا ان سے دب جاتیں۔ وہ بدو لڑائی ہوتی۔ ان دونوں کے جھگڑوں کی وجہ سے شاہان بہت سہما سہما رہتا۔ وہ بہت چپ چپ رہنے لگا تھا۔ مگر دونوں کو ہی پروا کب تھی۔

جانے ان کے بیچ سے وہ محبت کہاں اٹھ گئی تھی، ایک دن وہ گھر لوٹے تو نہ صرف نشے میں تھے، بلکہ حمیرا کا حق بھی کسی اور کی جھولی میں ڈال آئے تھے۔ تب حمیرا نے آخری فیصلہ کر لیا۔ بہت غصے سے احسان علی کے گھر کو چھوڑتے ہوئے انہوں نے شاہان کو بھی چھوڑ دیا۔

"اگر گھر سے قدم نکالا تو شاہان کو بھول جانا۔" احسان علی نے دھمکی دی۔

"ہاں! بھول جاؤں گی۔ وہ بھی تمہارا بیٹا ہے، تمہارا خون، تمہارے جیسا ہی ہو گا۔" غصے سے اپنا سامان نکالتے انہوں نے بھی چلا کر کہا۔

ان کے آنے کے بعد شاہان اکثر انہیں فون کر کے روتے ہوئے ان سے واپس آنے کی منت کرتا تھا۔

"مما پلیز واپس آجائیں، مجھے آپ کے بغیر کچھ اچھا نہیں لگتا۔" وہ روتے ہوئے ان سے التجا کرتا۔

"مما! پاپا رات کو لیٹ آتے ہیں اور مجھے تنہا سوتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ آپ واپس آجائیں، پلیز مما۔"

مگر حمیرا پر ان کی انا چھا گئی تھی۔ وہ کیوں واپس جائیں۔ احسان علی جیسے ضدی انسان کے ساتھ انہیں اب اپنی زندگی نہیں گزارنی۔ ہٹ دھرمی سے سوچتی، شاہان علی کو بھلائے ہوئے تھیں۔ اپنی انا کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے انہوں نے اپنے شاہان علی کو چھوڑ دیا۔

کیسی ماں تھیں وہ؟ مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں بھلا؟ مائیں تو اپنے اولاد کے لیے اپنی زندگی، اپنی خوشی، اپنا آرام، اپنا چین، سکون سب تج دیتی ہیں۔ اپنی ذات پر

بہت سے عذاب سہ جاتی ہیں کہ ان کی اولاد سکون سے رہے۔ مگر وہ کیسی ماں تھیں؟

شروع شروع میں شاہان انہیں فون کرتا۔ ان کی منتیں کرتا۔ ان سے واپس آنے کی التجا کرتا۔ پھر رفتہ رفتہ وہ بھی ان سے مایوس ہو گیا۔ وہ اسے تسلی دیتی تھیں۔ اسے فون پر پیار بھی کرتی تھیں۔ مگر وہ اس کی باتیں مان نہیں سکتی تھیں۔ تب اس نے بھی ان کے بغیر جینا سیکھ لیا تھا۔ پر یوں تنہا جیتے جیتے وہ بہت سخت ہو گیا تھا۔ انا پرست اور ضدی من مانی کرنے والا۔ تب وہ جب بھی اس کی ضد کی، اس کی ہٹ دھرمیوں کی کوئی نہ کوئی داستان سن کر خود اسے کال کرتی تھیں، "تو تم ثابت کر رہے ہو اپنے ہر عمل سے شاہان علی کہ تم احسان علی کے بیٹے ہو۔" وہ ان کے طنز ان کی کج کلاہی سنتا اور خاموش رہتا تھا۔ مگر آج جانے کیا ہو گیا تھا کہ اس نے انہیں آئینہ دکھا دیا تھا اور اس آئینے میں نظر آئی اپنی شکل انہیں اتنی بھیانک نظر آ رہی تھی کہ وہ اسے ایک نظر نہیں دیکھ پا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اسے شہر گئے دو دن ہو گئے تھے اور اس کے جانے کے بعد بھی وہ اسی کے متعلق سوچتی رہی تھی۔ شاہان علی جس سے اس کا نکاح چار سال کی عمر میں کر دیا گیا تھا۔ چار سال کی وہ بچی جسے اس وقت لفظ نکاح کا مطلب بھی نہیں پتا تھا اور شاہان علی جو اس کی پھپھو کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جو بہت پہلے اپنی مما کے ساتھ ان کے گھر آیا کرتا تھا۔ جس کے ساتھ وہ کھیلتی تھی۔ جو اس کا بہت اچھا دوست تھا۔ مگر پھر پھپھو ان کے گھر آ کر رہنے لگی تھیں۔ مگر شاہان ان کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ پھر وہ ان کے گھر کبھی نہیں آیا تھا۔ کیوں؟ یہ سوال اس نے بہت دفعہ مما سے، پھپھو سے، پاپا سے پوچھا تھا۔ مگر انہوں نے کوئی ایسا جواب نہیں دیا تھا جو اس کی تسلی کروا سکتا۔ میٹرک تک آتے آتے اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا نکاح اس کے پھپھو زاد شاہان کے ساتھ ہوا ہے۔ شاہان کیسا ہے۔ اس کا مزاج وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ بہت پہلے ان کے گھر آیا تھا اور اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد وہ اس کی شکل تک بھول چکی تھی۔ اس کے مستقبل کو لے کر پھپھو اور مما دونوں ہی پریشان رہتی تھیں۔ پھپھو جو شہزاد چاچو کی فیملی کے ساتھ لاہور چلی گئی تھیں وہاں سے فون کر کے اکثر بھائی کو ریحا کی جان شاہان سے چھڑوانے کا کہتی تھیں۔

"وہ تمہارا بیٹا ہے حمیرا!" ایک بار پھپھو کی کسی بات کے جواب میں انہوں نے کہا تھا۔

"نہیں ہے وہ میرا بیٹا۔ وہ احسان علی کا بیٹا ہے۔ اسی جیسا انا پرست، اکھڑ مزاج۔ میری زندگی تو تباہ ہو گئی۔ مگر میں ریحا کی زندگی تباہ نہیں ہونے دوں گی۔"

کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ ان کی باتوں سے ریحا کے ذہن میں شاہان علی کا جو خاکہ بنا تھا اس میں رنگ زبیدہ آنٹی کے بیٹے فرہاد بھائی کی شادی میں خود شاہان نے ہی بھرے تھے۔ وہ ایک اور کزن کے ساتھ کھڑی باتوں میں مشغول تھی۔ جب سفید کاٹن کے لباس میں ملبوس اونچا پورا شاہان علی اس کے سر پر آکھڑا ہوا تھا۔

اس نے کئی تقریبات میں اسے دور سے دیکھا تھا۔ مگر یوں قریب سے دیکھنے پر وہ اس کی شان دار وجاہت سے متاثر ہو گئی تھی۔ وہ اپنی سبز آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ تب اس نے انتہائی سرد آواز میں اسے اندر جانے کا کہا تھا۔ تلخ انداز میں غصے سے بولتا شاہان علی اسے حیرت کے سمندر میں دھکیل گیا تھا۔

اور اس کے بعد وہ لوگ جتنی بار بھی ملے شاہان علی کے سرد و مغرور انداز نے اس کے اندر غصہ بھر اتھا۔ وہ اس سے چڑنے لگی تھی۔ اس کی روک ٹوک سے اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ کون ہوتا تھا اسے یوں روک ٹوک کرنے والا؟" اس نے غصے سے مما سے پوچھا تھا اور یہی بات مما نے پاپا سے کہی تھی۔

"ابھی سے اس کا یہ حال ہے۔ مجھے اپنی بچی کو حمیرا کی طرح جذباتوں کے حوالے نہیں کرنا۔

☼ ☼ ☼

وہ کب سے اس کی شاندار سی تصویر پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ "کیا شاہان علی کے مزاج کی تلخی اس کے اندر کی گھٹن کی وجہ سے ہے۔ ماں، باپ کی عدم توجہ نے اسے ایسا بنا دیا ہے؟" وہ تنہا بیٹھی شاہان علی کی ذات کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھی۔

"وہ ایسا کیوں ہے آپی؟" وہ اس نے الجھن زینب کے سامنے رکھ دی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ربحا؟" انہوں نے جواباً اس سے پوچھا۔

"میں اس کی ذات کے بہت سارے پہلوؤں سے آگاہ نہیں۔ آپ تو سب جانتی ہیں نا۔" اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتا ہے ربحا، یہ جو میاں، بیوی کے لڑائی، جھگڑے، ان کی ناچاقی ہوتی ہے نا، یہ خود ان کی زندگی تو ڈسٹرب کرتی ہے مگر یہ سب سے زیادہ اور برا اثر ان کی اولاد پر ڈالتی ہے۔ ماں، باپ کے لڑائی جھگڑے، بچوں کی نفسیات پر، ان کے ذہن پر کتنا برا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ والدین جان جائیں تو بہت کچھ برداشت کر لیں۔ خاموشی سے سہ لیں۔ مگر یوں کبھی دوبدو لڑائی نہ کریں، والدین کے درمیان ہونے والی جنگ چاہے انا کی ہو، حقوق کی ہو، معاشی یا گھریلو مسائل کی وجہ سے ہو، بچوں پر دو طرح سے اثر ڈالتی ہے۔ ایسے بچے جن کے ماں، باپ یوں آپس میں اختلاف کے باعث لڑیں جھگڑیں، ایسے بچے یا تو بہت دبو قسم کی شخصیت بن کے ابھرتے ہیں۔ وہ زندگی اور اس کی مشکلات کا مقابلہ نہیں کر پاتے یا پھر وہ بہت نڈر، جھگڑالو، ضدی قسم کے انسان بن کر ابھرتے ہیں جن کے دل میں کسی دوسرے کے لیے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنی غرض کے بندے بن جاتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں ہی خطرناک ہوتی ہیں۔

شاہان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ بھی اپنے والدین کے اختلاف، ان کے لڑائی جھگڑوں کی نذر ہوا۔ تمہیں پتا ہے جب عمیرا چاچی روٹھ کر گئی تھیں، تب … نے احسان چاچو کو اتنا سمجھایا تھا کہ وہ چاچی کو منا کر لے آئیں۔ مگر وہ ضد پر اڑ گئے تھے کہ خود گئی ہے خود آئے اور بیوی کو کیا حق کہ وہ شوہر سے یوں لڑ کر … لگائے۔ کاش وہ یوں ضد نہ باندھتے یا چاچی ہی … برداشت سے کام لیتیں تو آج شاہان کی شخصیت … الجھاؤ کا شکار نہ ہوتی۔"

☼ ☼ ☼

انا کی زمین پر رہنے والو، جلنے والو، ٹھہرنے والو!
انا کی زمین پر اونچا سا محل بنانے والو!
اپنی سوچ کے کسی خیال میں یہ بھی رکھنا
انا کی زمین پر گھر بنانے والوں کو اس میں تنہا ہی رہنا پڑتا ہے
اپنا سارا جیون اکیلے ہی جینا پڑتا ہے
انا کی زمین پر محبت کا بیج بونے والو!
اپنی سوچ کے کسی خیال میں یہ بھی رکھنا
انا کی زمین پر لگے محبت کے پیڑ پر
وصل کا پھول کبھی نہیں کھلتا
سو اگر
تنہا نہیں رہنا ہے، اکیلے نہیں جینا ہے
وصل کا پھول کھلانا ہے تو
دیا کوئی جلانا ہے تو
اپنے انتظار کو لاحاصل ہونے سے بچانا ہے تو
انا کی زمین کو چھوڑ کر محبت کی زمین پر آنا ہوگا
میں اور میں کا کھوکھلا نعرہ چھوڑ کر
ہم اور تم کا گیت سہانا گانا ہوگا!

☼ ☼ ☼

عجیب سے دن آ گئے تھے۔ خشک اور بیزاری بھرے دن۔ جب سورج کو ڈوبنے کی بہت جلدی ہوتی ہے۔ جب شام ڈھلتے ہی سیاہ تاریکی ہر چیز اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب انسان خواہ مخواہ ہی اداس ہو جاتا ہے۔ وہی دن تھے۔ اداسی بھرے دن اور شامیں۔ وہ بہت خاموشی سی بیٹھی پتوں کو دور سے ہوا ہوا دیکھ رہی تھی۔ یہی پتے جب سبز تھے تو درخت نے کیسے اپنے وجود سے لگا کر رکھے تھے اور جیسے ہی خشک ہوئے تھے کیسے گرا دیا تھا۔ زمین پر زرد سے یہ خشک پتے اس کی اداسی میں اضافہ کر رہے تھے۔

کون عمر بھر کسی کا ساتھ دیتا ہے فراز
خشک پتوں کو تو درخت بھی گرا دیتے ہیں

شام گہری ہونے لگی تو وہ اٹھ کر اندر آ گئی تھی۔ اور اسی رات زینب آپی نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے شاہان کو یاد کیا تھا۔

"شاہان کو گئے کتنے دن ہو گئے؟"

"بارہ دن۔" ان کی بات پر بے اختیار ہی اس کی زبان سے نکلا تو وہ خود بھی ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔

یہ اس نے کب سے اس کے جانے کے دن گننے شروع کر دیے تھے۔ اس نے خفگی سے اپنے دل سے پوچھا تھا۔

وہ بیڈ کے وسط میں اس کی تصویر رکھے اس پر اپنی نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ جب زینب آپی نے اندر جھانکا۔

"ایک بات پوچھوں؟" وہ قریب آ کے بیٹھ گئی تھیں۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"شاہان کے بغیر اداس ہو؟" ان کے سوال پر وہ نظر جھکا کر رہ گئی۔

"ایک بات کہوں ربحا! محبت کرو نا تو پھر اسے نبھانے کا ڈھنگ بھی آنا چاہیے۔ محبت احسان چاچو اور عمیرا چاچی نے بھی کی تھی۔ مگر اسے نبھا نہیں سکے، مگر تم اسے نبھانا۔" اس نے سر اوپر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"محبت کر تو ہر کوئی لیتا ہے۔ پر اسے نبھاتا کوئی کوئی ہے۔ تم ان کوئی کوئی میں شامل ہو جانا۔" اس کی کالی آنکھوں میں یک دم نمی سی بھری تھی۔ پتا نہیں اپنی محبت کے ٹھکرائے ہونے پر یا اپنی بے بسی پر۔

"آپ کو کیا لگتا ہے وہ بھی بدل سکتا ہے؟" بہت دھیمے سے اس نے سوال کیا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرائیں۔

"یہ جو محبت ہوتی ہے نا، اس میں دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ تبدیل ہونے یا تبدیل کرنے کی۔ محبت میں یا تو آپ خود ایسے بن جاتے ہیں جیسا آپ کا محبوب آپ کو دیکھنا چاہتا ہے یا پھر آپ اپنی محبت سے دوسرے کو تبدیل کر لیتے ہیں۔ جیسا آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ محبت تو انسان سے بہت کچھ کروا سکتی ہے اور کروا لیتی ہے۔ بس انسان کو محبت کرنے کا فن آنا چاہیے۔"

☼ ☼ ☼

وہ آج بہت دنوں بعد واپس آیا تھا۔ وہ بھی بڑے ابا کے اصرار پر۔

اور اس بار وہ اسے ساتھ لے کر جا رہا تھا اور اس بات پر بڑے ابا اور زینب آپی کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی بے حد خوش تھی۔ زینب آپی نے اسے ساتھ لگا کر چپکے سے کہا تھا۔

"عورت اگر چاہے نا تو مرد کو اپنی مٹھی میں قید کر سکتی ہے۔ تم بس صبر اور حوصلے کے ساتھ اسے جیتنے کی کوشش کرنا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے شاہان ولا آئے تقریباً ہفتہ ہو گیا تھا۔ ایک بار جا کر وہ ممّا، پاپا اور نیہا سے بھی مل آئی تھی۔ روتی ہوئی ممّا کو اس نے بڑے حوصلے اور ضبط کے ساتھ اطمینان دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنے نصیب کے لکھے کو دل سے قبول کر چکی ہے۔ پورا دن سرفراز ولا میں گزار کر وہ واپس شاہان ولا آئی تھی۔ شاہان علی کی اپنی مصروفیات تھیں۔ وہ صبح کا گیا رات کو آتا تھا۔ ربحا سے اس کا رویہ بہت لیا دیا اور بے نیازانہ تھا۔ وہ جیسے اسے یہاں لا کر بھول گیا تھا۔ البتہ احسان علی اس کے ساتھ بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ باتھ روم میں تھا۔ ریحا نے اس کے کپڑے نکال دیے تھے۔ وہ اس کے کپڑوں کا' اس کے کھانے پینے کا' اس کی ضروریات کا خیال رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتی تھی۔ وہ اس کی ٹائی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ جب وہ باہر آیا تھا۔ ریحا کے ہاتھ میں اس کی ٹائی تھی جو اس نے جھپٹ لی تھی۔

"میری کسی بھی چیز کو ہاتھ لگانے یا میرے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔" درشتی سے کہتا وہ پلٹ گیا تھا۔ تب وہ آنسو پی گئی تھی۔ جتنا وہ نرمی سے پیش آرہی تھی وہ اتنا ہی تلخ ہوتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کھانے کی میز پر وہ تینوں موجود تھے۔

"میں نے آج فرسٹ ٹائم بریانی بنائی ہے آپ ٹرائی کر کے بتائیں' کیسی بنی ہے؟" اس نے گرم گرم چاولوں سے بھری ڈش ٹیبل پر دھری تھی۔

"تمہاری بیٹی نے بنائی ہے تو اچھی ہی ہوگی۔" احسان صاحب نے مسکرا کر کہا تھا۔

اپنی پلیٹ میں ڈالنے کے بعد انہوں نے شاہان کی پلیٹ میں ڈالنا چاہا تھا جب اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا تھا اور پھر صفیہ کو پکارا تھا۔

"کچھ اور بنا ہوا ہے؟" اس کے پوچھنے پر صفیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ "جی سبزی بنی ہوئی ہے اور۔"

"ٹھیک ہے میرے لیے وہی لے آؤ۔ ساتھ میں ایک دو روٹیاں بنا لینا۔"

وہ جی اچھا کہہ کر چلی گئی تھی۔ ریحا اور احسان صاحب خاموشی سے بیٹھے رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ آج پھر پینے میں مصروف تھا۔ ریحا اسے دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا گلاس چڑھاتے وہ نجانے کس بات سے فرار چاہ رہا تھا یا کون سا غم غلط کرنے کی کوشش میں تھا۔ اسے تیسرا گلاس بھرتے دیکھ کر اس سے صبر نہیں ہو سکا تھا تب ہی بستر سے اٹھ کر اس کے ہاتھ میں تھاما ہوا گلاس چھیننے کی کوشش کی تھی۔ شاہان نے بہت حیرت اور پھر غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"اپنی حد میں رہو۔" اس نے بے انتہا غصے سے کہا تھا۔ "حد کراس کرنا بھی آپ ہی سے سیکھا ہے۔"

وہ بے خوفی سے بولی تھی۔ آج وہ اس سے اس کے غصے سے ڈری نہیں تھی۔ ٹھیک ہے وہ اس پر ظلم کرے گا چلا جائے گا تو وہ اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لیے اسے یہ زہر اپنے اندر اتارنے نہیں دے گی۔

"کیا چاہتی ہو؟" سرخی چھلکاتی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"میں نے پوچھا کیا چاہتی ہو؟" شاہان علی نے آنکھیں چرالی تھیں۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" پتا نہیں اس میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی سوال کے بدلے سوال کر رہی تھی۔

"میں چاہتا ہوں تم ایک پل میں یہاں سے میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ گھن آتی ہے مجھے تم سے۔"

شاہان کی بات نے اسے دکھ کی دلدل میں دھکیل دیا تھا پر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

"میرے نزدیک آنے سے آپ کو گھن آتی ہے اور وہ جس سے کوئی تعلق نہیں' وہ دو ٹکے کی عورت۔" وہ سب جانتی تھی۔ سوچ کر کانپ گئی۔

"ہاں' وہ دو ٹکے کی عورت تم سے بہتر ہے۔ کیوں۔" اس کا چہرہ اپنے دائیں ہاتھ سے جکڑ کر اس نے اپنے بے حد قریب کرتے ہوئے پھنکار کر کہا۔ "کیونکہ وہ تمہاری طرح منافق نہیں ریحا علی' اس کا باطن بھی اس کے ظاہر جیسا ہے اور کیا سمجھتی ہو' یوں اپنا ظاہر بدل کر تم میرے دل میں کوئی جگہ بنا لو گی۔ کبھی سوچنا بھی مت۔"

ایک جھٹکے سے اسے چھوڑتا وہ اٹھ کر باہر نکل گیا تھا اور پیچھے اپنے دکھوں پر اپنی بے وقعتی پر رونے کے لیے تنہا رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج پھر وہ خاصا لیٹ واپس آیا تھا وہ سامنے ہی کھڑے اس کے واپس آنے کے منتظر تھے۔

"کیوں کر رہے ہو ایسا شاہان؟" اس کے روبرو کھڑے ہوتے انہوں نے پوچھا تھا۔

اس نے کندھے جھٹکے۔ "پتا نہیں۔"

"جس طرح تم کر رہے ہو نا ایسے کامیابی نہیں صرف تباہی اور بربادی مقدر بنتی ہے۔" وہ تلخ سے انداز میں مسکرایا۔ "کامیابی کی چاہ بھی کسے ہے؟"

"وہ تمہاری ہر زیادتی کے باوجود تمہاری منتظر ہے شاہان' مت اذیت دو اسے۔"

انہوں نے بہت تھکے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"میں نے ایک بار پہلے بھی آپ سے کہا تھا ایسی باتیں آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگتی بابا جان۔"

اس کی بات پر انہوں نے بہت دکھ بھرے انداز میں اس کی سمت دیکھا تھا۔

"جانتا ہوں۔" وہ تھکے تھکے سے وہیں پر صوفے پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ "اسی لیے چاہتا ہوں جو غلطی میں نے کی وہ تم بھی نہ کرو۔ میں تمہیں اس غلطی میں چھپی تباہی کے بعد ہونے والے دکھ میں پوشیدہ پچھتاوے اور پچھتاوے کے بعد ہونے والی مسلسل اذیت سے بچانا چاہتا ہوں' اس اذیت سے جو پچھلے کئی برسوں سے میرا مقدر بنی ہوئی ہے۔ میں غلط تھا شاہان اسی لیے آج خالی ہاتھ کھڑا ہوں میں نہیں چاہتا کل تم بھی میری جگہ کھڑے ہو۔"

☼ ☼ ☼

"میں روحینہ سے شادی کر رہا ہوں۔" وہ نہ اس سے پوچھ رہا تھا نہ بتا رہا تھا وہ تو دوسری طرف موجود احسن کو آگاہ کر رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ پہ کھڑے کھڑے ہی زلزلوں کی زد میں تھی اس کے خوب صورت چہرے پر یکدم ہی ڈر خوف پھیل گیا تھا شاہان علی نے ایک نگاہ قریب کھڑی ریحا پر ڈالی اور باہر نکل گیا تھا۔

وہ اس کے ساتھ یوں بھی کر سکتا تھا ایسی سزا بھی دے سکتا تھا کب سوچا تھا اس نے۔ سب۔ اس نے اپنے اور اس کے بیچ بہت فاصلے رکھے تھے مگر یوں وہ اتنی دور چلا جائے گا اسے کب معلوم تھا یا وہ اپنے حق کے لیے ذرا سی جنگ بھی نہیں لڑے گی نہیں وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانے گی بھی نہیں۔ اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے اس نے مضبوطی سے سوچا تھا۔

وہ اپنا موبائل نیچے ہی چھوڑ کر اوپر اپنے بیڈ روم میں گیا تھا اور کچن سے اسے دیکھتی ریحا کے لیے یہ بہترین موقع تھا وہ تیر کی تیزی سے باہر نکل آئی تھی اس کا موبائل اٹھا کر اس نے جلدی جلدی روحینہ کا نمبر سرچ کیا تھا بہت تیزی کے ساتھ وہ نمبر اپنے سیل میں محفوظ کر کے وہ واپس پلٹ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جی کون؟" شاہان کے جانے کے بعد اس نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی کھول کر کھڑی ہوئی وہ روحینہ کا نمبر ڈائل کر کے دوسری طرف سے فون اٹھانے کی منتظر تھی۔

"مسز شاہان علی؟" دوسری طرف سے پوچھے گئے سوال کا اس نے بہت خود اعتمادی سے جواب دیا تھا۔

دوسری طرف ایک پل کے لیے خاموشی چھا گئی "خاموش کیوں ہو گئیں؟ تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ میں تمہیں کال کر سکتی ہوں یا پھر تمہیں لگتا ہے کہ تم شاہان کو مجھ سے چھین لو گی اور میں خاموش رہوں گی؟"

اس نے طنز سے کہا تو دوسری سمت پہلی خاموشی ٹوٹی۔

"جو تمہارا ہے اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا البتہ جو تمہارا ہے ہی نہیں وہ کوئی لاکھ چاہ کر بھی تمہیں دے نہیں سکتا۔" روحینہ کی بات نے اس کے اندر

آگ لگادی تھی۔

"طنز کر رہی ہو؟" اس نے سلگ کر پوچھا۔

"نہیں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" دوسری طرف سے بہت نرمی سے کہا گیا تھا۔

"خیر ہمیں یاد کرنے کا مقصد؟"

"ملنا چاہتی ہوں میں تم سے تم آؤ گی یا میں آؤں؟" اپنے غصے پر ضبط کرتے اس نے کہا تھا۔

"ہمارے گھر کے دروازے ہر وقت اور ہر کسی کے لیے نہیں کھلتے مگر تمہارے ساتھ جس شخص کا حوالہ ہے نا اس کے لیے گھر تو کیا دل تک کے دروازے کھلے ہیں جب چاہو آجاؤ۔"

☼ ☼ ☼

براؤن کلر کے کپڑوں میں ملبوس اس نے ہلکا سا میک اپ کیا اور ڈرائیور کے ساتھ اس سے ملنے چلی آئی تھی۔ بے حد غصے کے عالم میں وہ روحینہ کے گھر داخل ہوئی تھی جی چاہ رہا تھا لمحوں میں اس عورت کو ختم کر ڈالے سادگی سے سجے ڈرائنگ روم میں بیٹھی وہ غصے اور بے چینی سے روحینہ شاہ کی آمد کی منتظر تھی۔ تبھی وہ چلی آئی تھی اور اسے دیکھتے ہی ریحا بے اختیار صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

بے حد حیرت سے کھڑی وہ اپنے سامنے موجود اس حسن کے دلکش پیکر کو دیکھے جا رہی تھی۔

"کیوں ملنا چاہتی تھیں ہم سے۔" روحینہ شاہ نے سکوت توڑا تھا وہ دونوں ابھی تک آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

"دیکھنا چاہتی تھی اس عورت کو جس کی تصویر شاہان علی کے دل پر نقش ہے۔" اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے ریحا علی نے جواب دیا تھا۔

"ہوں!" روحینہ شاہ نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

"ایک منٹ۔" وہ واپس مڑ گئی تھی جب کہ ریحا صوفے پر آبیٹھی تھی وہ اس عورت سے لڑنے آئی تھی اسے بتانے آئی تھی کہ شاہان علی صرف اس کا ہے مگر اب اس کے سامنے خاموش کھڑی تھی پتہ نہیں اس عورت کے وجود میں ایسی کون سی بات تھی۔

"تو دیکھو۔" وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی کہ جب روحینہ شاہ نے اس کے قریب آکے کہا تھا۔ "یہ ہے وہ عورت جو شاہان علی کے دل پر نقش ہے۔"

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا سامنے چمکتے شیشے میں اس کی شبیہ واضح تھی۔ وہ پہلے حیران ہوئی پھر اداسی سے مسکرائی۔

"اگر میں اتنی با نصیب ہوتی تو آج یہاں تمہارے سامنے نہ بیٹھی ہوتی۔" اداسی سے کہتی وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی تھی۔

"اس کو ہر جگہ بس تم ہی نظر آتی ہو۔ تبھی تو میرا ہوتے بھی وہ میرا نہیں۔ میں اس کی بیوی ہوں اور اسے مجھ سے گھن آتی ہے۔" پتا نہیں وہ اس عورت سے اپنے دکھ کیوں بانٹنے لگی تھی اس عورت سے جو اس سے شاہان علی کو چھیننے کے درپے تھی۔ "تم سے کتنا کا رشتہ ہے پھر بھی۔"

"ایک منٹ۔" خاموشی سے اس کی بات سنتی روحینہ شاہ تڑپ اٹھی تھی۔

"ایک بات ابھی سے ذہن نشین کر لو ریحا علی۔ تمہارا شوہر سب کچھ ہو سکتا ہے پر بدکردار نہیں ہے اور جہاں تک بات ہے اس کے دل کی تو وہ صرف تم سے محبت کرتا ہے۔"

روحینہ کی بات پر وہ تلخی سے مسکرائی۔ "اسی لیے تم سے شادی کر رہا ہے؟"

"نہیں ریحا علی شاہان علی ہمارے دل کے شہنشاہ ہیں یا دیوتا ہیں جو ہمارے ہو جاتے یا ہمیں چھو لیتے تو ہم سونا بن جاتے۔ ہم تو مٹی کے بنے ہیں ہمیں مٹی ہی رہنا ہے وہ ہمارے دل میں ضرور بستے ہیں پر ہمارا نصیب نہیں۔"

سامنے بیٹھی عورت کے الفاظ پر اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں بھیگتی محسوس کی تھیں۔

"پھر وہ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے؟" بہت ہارا ہوا انداز تھا اس کا۔

"نفرت کہاں کرتا ہے ہاں البتہ محبت میں بدگمان ہے اور انسان جب محبت میں بدگمان ہو جاتا ہے تو پھر اس کا رویہ اس کا انداز نفرت کرنے والوں سے بھی سخت ہو جاتا ہے۔ اس کے دل پر بدگمانی کی دھند پھیلی ہوئی ہے، جس دن تم اسے صاف کر لو گی دیکھنا اس شیشے کی طرح صاف ہو گا۔"

☼ ☼ ☼

"تم روحینہ سے ملنے گئی تھیں۔" بہت کڑے تیوروں کے ساتھ کھڑا وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" اس کی ہاں بہت واضح تھی۔ "کیوں؟" اس کی ہاں نے شاہان علی کے غضب میں اضافہ کیا تھا۔

"کیونکہ وہ میرا گھر لوٹنا چاہتی ہے میرا آشیاں بکھیرنا چاہتی ہے اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔"

اس کی بات نے شاہان کے غصے سے تنے چہرے پر تلخی پھیلی تھی۔ "تو یہ گھر ہے؟"

"آپ کے لیے نہ سہی میرے لیے ہے۔" وہ بھی تن تن کے کھڑی تھی۔

"بہت غرور ہے اس گھر پہ۔ اگر میں چاہوں تو پل میں توڑ سکتا ہوں۔" اس کی بات پر ریحا نے اسے آنکھ اٹھا کر دیکھا تھا۔

"بس اسی بات کا زعم ہے نا آپ کو یہ بھی کر کے دیکھیں۔" وہ کچھ کہنے لگا تھا جب اس کے ہاتھ میں تھاما سیل بج اٹھا تھا۔

"ہاں آ رہا ہوں۔" کہہ کر اس نے سیل بند کیا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے، جب وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ ٹھٹکا تھا۔

کتنا عرصہ ہو گیا تھا اس شخص کی بے اعتنائیاں، سسکیاں سہتے بس اور نہیں اسے پتہ تو چلے وہ اسے کس بات کی سزا دے رہا ہے۔

"میں نے کہا راستے سے ہٹو۔" غصے سے شاہان علی نے دروازے کے سامنے کھڑی ریحا علی کو دیکھا تھا۔

"نہیں ہٹوں گی۔" وہ بھی آج ہٹیلے پن پر اتری ہوئی تھی۔

"میرے راستے سے ہٹو بدکردار عورت!" بہت غصے سے اسے دروازے کے سامنے سے ہٹاتا وہ چیخا تھا۔

"بدکردار۔ بدکردار عورت۔ میں بدکردار ہوں میں بدکردار۔" وہ لپک کر پھر اس کے سامنے آئی تھی "کیوں، کس لیے آپ نے مجھ پہ یہ الزام لگایا؟" حیرت کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"بتائیں شاہان" آنسو اس کی آنکھوں سے بہت شدت سے گر رہے تھے۔ "اپنے اندر جھانکو سارے جواب مل جائیں گے؟"

نفرت انگیز لہجے میں اس نے طنز سے کہہ کر اپنے قدم بڑھائے تھے۔

"آپ نے ایسا کیوں کہا شاہان میرا ماضی تو کسی صاف آئینے کی طرح آپ کے سامنے ہے 'میں' میرا وجود میرا دل سب پر بس آپ کا اختیار ہے پھر کیوں کہا آپ نے ایسا؟"

روتے ہوئی وہ پھر سے اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"اچھا تو پھر جبزی کون تھا؟" بہت تلخ سے انداز میں اس نے کہا تو اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔

"جبزی" اس نے حیرت سے دہرایا تو وہ اس پر جبزی کے حوالے سے شک کر رہا تھا۔ الزام لگا رہا تھا جبزی جو اس کا یونیورسٹی فیلو اور ایک اچھا دوست تھا بس۔

"میرا جبزی سے یا کسی بھی دوسرے مرد سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے' وہ صرف میرا دوست تھا۔ میں... میرا نکاح آپ سے ہوا تھا اور میں اس بات سے باعلم تھی پھر میں یوں کیسے کر سکتی تھی آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔" روتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھی اس کی بدگمانیاں دور کرنے کی کوشش کرتی ریحا علی کو اس نے تنفر سے دیکھا تھا۔

"مجھے تمہاری کہانیاں نہیں سننی۔" بہت نفرت اور بے زاریت سے کہتے وہ ایک جھٹکے سے وہاں سے باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت روتے ہوئے ان کے سینے سے لگی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا پاپا وہ پتھر ہے اور پتھر کب نرم ہوا کرتے ہیں وہ یا تو ٹوٹ جاتے ہیں یا توڑ دیتے ہیں دیکھیں اس نے مجھے توڑ دیا پاپا ریزہ ریزہ کر دیا۔"

شدت سے روتے ہوئے کہتی ربعا علی سرفراز علی کے سینے سے لگی ہاتھ کناں تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھ سے شادی کرو گی؟" اپنی سبز آنکھیں روحینہ شاہ کے وجود پر ٹکاتے اس نے پوچھا تھا۔

"جن سے محبت کی جاتی ہے نا انہیں اذیت سے انتظار کی سولی پر نہیں لٹکایا جاتا۔" ہلکے سے مسکرا کر اس نے جواب دیا تھا۔

"اسی لیے تو تمہیں اس اذیت اور انتظار سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"ہم جو کہہ رہے ہیں آپ جانتے ہیں۔"

"نہیں میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس ایک بات یا سوال کہ تم مجھ سے شادی کرو گی؟" اس نے اپنا سوال دوہرایا تھا۔

"مگر آپ ہماری محبت میں ایسا کہہ رہے ہوتے تو شاید نہیں یقیناً" ہم خود کو اس کائنات کی خوش نصیب عورت گردانتے مگر آپ ایسا ہماری محبت میں نہیں بلکہ ربعا علی کی ضد میں کہہ رہے ہیں۔"

روحینہ کی بات پر اس نے تلخی سے سر جھٹکا تھا۔

"جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ ایک گہری سانس لیتی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوئی تھی وہ منتظر سا بیٹھا تھا۔

"نہیں۔ باوجود اس کے آپ کے ہماری ذات پہ بے تحاشا احسانات ہیں۔ آپ کی وجہ سے ہی ہم یہاں اس گھر میں محفوظ ہیں۔ آپ نے جس طرح اس نیچ سے ہماری عزت بچا کر ہمیں یہاں نہ صرف پناہ دی بلکہ بہت عزت سے رکھا ہم اگر تمام عمر آپ کے قدموں میں بیٹھے رہیں تب بھی آپ کے احسانات نہیں چکا سکتے باوجود اس کے ہمارے دل کے پہلے اور آخری مہمان آپ ہیں۔ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد بھی کوئی ہمارے دل کے بند در کبھی نہیں کھول پائے گا اس کے باوجود بھی نہیں۔"

"محبت بھی کرتی ہو اور انکار بھی کرتی ہو۔" شہباز علی کے سوال پر وہ آنکھوں کی نمی صاف کرتی پلٹی تھی۔

"ہاں محبت کرتے ہیں اسی لیے محبت کی بددعا سے ڈر لگتا ہے کسی کے دل میں بسی محبت کو رلانے سے ڈر لگتا ہے۔"

"وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔"

"پہلے اپنے دل سے بدگمانی جھٹک کر اپنے اندر جھانکیں پھر پتا چلے گا آپ کو آپ کے دل میں ربعا کے علاوہ کوئی نہیں اور وہ بھی صرف آپ کو چاہتی ہے بدگمان مت ہوں شاہان اور انا کی یہ جنگ چھوڑ کر اس کی طرف لوٹ جائیں جو آپ کا نصیب ہے۔"

☼ ☼ ☼

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا ذہن منتشر سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا مختلف اوقات میں لوگوں کی کہی باتیں دماغ میں گونجتی اس کے اضطراب میں اضافہ کر رہی تھیں۔

"وہ تمہاری منتظر ہے شاہان اس کے انتظار کو طول مت دو۔" پاپا کی آواز ذہن میں گونجی اس نے سر جھٹک کر کسی سوچ سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

"وہ تم سے محبت کرتی ہے شاہان جبھی تو وہ تم سے یہاں ایڈجسٹ ہو گئی ہے ورنہ تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہارے خوف کی وجہ سے یہاں ہے۔"

آپی نے بہت پہلے کہا تھا اور اس نے بے دھڑک ہنستے ہوئے انہیں جھٹلایا تھا۔

"اس سے محبت نہیں کرتے تو اسے گھر میں کیوں لا بٹھایا ہے؟" احسن کے سوال کے جواب میں اس نے سر جھٹکتے اسے جھٹلایا تھا۔

"میں اس کا غرور توڑنا چاہتا تھا۔"

"کیا واقعی؟" احسن کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے دل نے بھی پوچھا تھا۔

"میں میرا وجود میرا دل سب پر بس آپ کا اختیار ہے شاہان۔" روتے ہوئے کسی نے التجا کی تھی اس کے وجود میں اضطراب بڑھا تیزی سے موڑ کاٹتے ہوئے وہ ایک پل کو ڈگمگایا تھا اور وہی ایک پل دھماکے کی آواز دور تک گونجی تھی۔ بیگانہ ہوتے حواس کے ساتھ اس نے بہت سے قدموں کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

یخ ٹھنڈے کوریڈور میں موجود ان سب لوگوں کے ہاتھ اس کی سلامتی مانگنے کے لیے اٹھے ہوئے تھے بڑے ابا' زینب آپی گاؤں سے آگئے تھے اور دونوں ہی لب مصلے بچھائے اپنے رب سے اس کی زندگی کی اس کی سلامتی کی بھیک مانگ رہے تھے۔ سرفراز علی بہت پریشانی سے بھاگ دوڑ کرتے ان سب کو تسلی بھی دے رہے تھے۔

حمیرا علی بہتی آنکھوں اور کانپتے لبوں کے ساتھ اپنے قریب کھڑے احسان علی سے بار بار ایک ہی سوال کیے جا رہی تھیں۔

"وہ ٹھیک تو ہو جائے گا نا احسان' اسے کچھ ہو گا تو نہیں نا؟" وہ ان کا سر ہاتھ تھامے تسلیاں دیے جا رہے تھے۔ آسیہ بیگم ہاتھ میں تسبیح لیے مسلسل مناجات میں مصروف تھیں اور ان سے ذرا ہٹ کر بیٹھی ربعا جو اس وقت وہاں موجود ہوتے بھی وہاں کہیں نہیں تھی۔ ڈرے دل کے ساتھ خوف اور بے یقینی کی ردا اوڑھے وہ بند آنکھوں کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ تھی۔

"مبارک ہو۔" ڈاکٹر کے ان الفاظ نے ان سب کے تن مردہ میں جان ڈال دی تھی۔ "آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔"

دل بے اختیار ہی اس رب رحمٰن کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے آج تک تمہیں کچھ نہیں دیا وہ ممتا تک نہیں جو تمہارا حق تھی اس کے باوجود میں آج تم سے کچھ مانگنا چاہتی ہوں۔ شاہان مجھے اپنی ماں کو اس کی تمام کوتاہیوں غلطیوں کے لیے معاف کر دو بیٹا۔"

انہوں نے روتے ہوئے التجا کی تھی اس نے فوراً ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں مما۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"لیٹے رہو شاہان ابھی ڈاکٹرز نے تمہیں یوں اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا ہے۔" پاس ہی کھڑے احسان علی فوراً آگے بڑھے تھے۔

"ربعا! شاہان کے لیے سوپ بنا دیا بیٹا؟" کمرے سے باہر آتے ہوئے حمیرا نے پوچھا تھا۔

"جی پھپھو۔" وہ کچن سے نکلی تھی۔

"سوپ تو بیٹا اندر لے آؤ۔" جی کہہ کر وہ واپس کچن کی طرف مڑی تھی۔ سوپ باؤل میں ڈالے وہ سیڑھیاں چڑھتی بیڈ روم میں آگئی تھی جہاں شاہان کے پاس حمیرا پہلے سے موجود تھیں۔

"یہ لیں۔" اس نے ٹرے حمیرا کی طرف بڑھائی تھی۔

"ربعا میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں بیٹا۔ شاہان کو سوپ تم ہی پلاؤ۔"

حمیرا کے جانے کے بعد بستر پر اس کے قریب آبیٹھی تھی۔

وہ سوپ ختم کر چکا تو وہ واپسی کے لیے اٹھی تھی۔

"ربعا!" شاہان نے پیچھے سے پکارا تھا وہ ٹھہر گئی تھی۔

"ادھر تو میری بات سنو پلیز۔" وہ پلٹ کر بستر کے کنارے لگی۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ۔" وہ ایک لمحے کو رکا تھا۔

"میرا نہیں خیال شاہان کے ہمارے بیچ اب کچھ کہنے اور سننے کو رہ گیا ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں تو جو چاہیں فیصلہ کر لیجیے گا میں اس گھر سے چلی جاؤں گی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ریحا!" پھپھو کے پکارنے پر اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ادھر آؤ۔" وہ ان کے قریب آگئی تھی۔

"میں کبھی چوری بات نہیں کروں گی بس اتنی سی بات ہے جان۔ کہ جو غلطی میں نے کی تھی تم مت کرنا۔ انا اور ضد ان دونوں کو ساتھ لے کر جینے والے انسان ہمیشہ تنہا رہ جاتے ہیں وہ لوٹ آیا ہے ریحا! شرمندہ ہے۔ معافی کا طلب گار ہے سوالی بن کر اور سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جاتا۔ اسے معاف کر دو بیٹا! اس گھر نے ہم سب نے پہلے ہی انا اور ضد کے ہاتھوں بے حد زخم کھائے ہیں۔ بہت جدائیاں سہی ہیں اب اور نہیں اب انا اور ضد کبھی نہیں جیتیں گے اب بس محبت جیتے گی اسے معاف کر دو بیٹا۔ محبت کا ظرف تو بہت وسیع ہوتا ہے۔"

ان کی آخری بات پر اس نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ماں ہوں بے خبر کیسے ہو سکتی ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے اس کی پیشانی چومنے لگیں۔

اور ریحا علی نے شاہان علی کو معاف کر دیا تھا۔ وہ لوٹ آیا تھا۔ اپنی ساری غلطیوں پر پشیمان تھا۔ پھر وہ اسے خالی ہاتھ کیسے لوٹا دیتی کہ شاہان علی اس کا شوہر ہی نہیں محبوب بھی تو تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ فون بند کر کے پلٹی وہ پیچھے کھڑا تھا۔

"کس سے بات ہو رہی تھی۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس نے عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"روحینہ سے۔" وہ مسکرا کر کہتی قریب چلی آئی تھی۔ "اس کا شکریہ ادا کرنا تھا؟"

"کس بات کا شکریہ؟" وہ حیران سا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے میرا شاہان لوٹانے کا۔" کہہ کر وہ جانے لگی جب اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔

"شاہان علی تو شروع سے ہی تمہارا تھا۔ بس یہ بات تمہاری اور تمہارے شاہان علی دونوں کی سمجھ داری میں ذرا دیر سے آئی تھی۔"

"پر شکر ہے آگئی۔" اس کے بے ساختہ کہنے پر وہ بے اختیار قہقہہ لگا گیا تھا۔

"پر ایک بات تم ابھی بھی نہیں جانتیں مسز ریحا شاہان علی۔" اس کے چہرے پر آئی سیاہ لٹ کو محبت سے پیچھے کرتے اس نے کہا۔

"شاہان علی تم سے محبت کرتا ہے۔ آج سے نہیں بہت پہلے سے۔" اس کی بات پر اس نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"ایک بات تو آپ بھی نہیں جانتے مسٹر شاہان علی۔"

"کیا؟"

"وہ یہ کہ میں یہ بات بہت پہلے سے جانتی ہوں۔" اس نے شریر سے انداز میں کہا تو شاہان علی نے بے اختیار اسے خود میں سمایا تھا۔ وہ اس کے کشادہ سینے سے سر ٹکائے سکون سے آنکھیں موند گئی تھی۔